سرخ گلابوں کا موسم

ام مریم

شعیب بیٹا۔ آپ رات کو اتنی دیر تک باہر نہ رہا کریں جلدی آ جایا کریں تا کہ کھانا سب کے ساتھ کھا سکیں۔ صمد بابا نے اوون سے بریانی کی بھاپ اڑاتی ڈش نکال کر ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا تو ناول سے منہ پونچھتے شعیب کے لبوں پہ نافہم سا تبسم لمحہ بھر کو ابھر کر معدوم ہو گیا۔

''ایسا کریں بابا کل سے آپ بھی میرا ویٹ مت کیجیے گا۔''

''ارے آپ نے غلط سمجھا ہے بیٹے میرے کہنے کا مطلب یہ تھوڑا ہی تھا کہ میں آپ کے انتظار میں جاگ نہیں سکتا یقین کریں بیٹا آپ کے کام کر کے تو مجھے دلی خوشی ملتی ہے'' صمد بابا گھبرا کر بوکھلا کر وضاحت پہ وضاحت پیش کرنے لگے۔

شعیب نے ناول پھینک کر کرسی سنبھال لی۔

''ٹھیک اٹ ایزی بابا میں نے بھی یہ نہیں ہی سمجھا کہ آپ میرے لئے جاگ نہیں سکتے مجھے خود بھی اچھا نہیں لگتا کہ اس عمر میں آپ سے اپنی خدمتیں لیتا رہوں آپ پلیز کل سے وقت پہ سو جایا کیجئے۔ یوں بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اتنی رات گئے تک جاگنا صحت کے لئے ٹھیک نہیں۔ پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ سے اسی وقت فریج سے نکالا ہوا رائتے کا باؤل تھام لیا۔ اس نے نہیں دیکھا مگر اس کی بات پہ صمد بابا کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی تھی۔ جبھی بولے تو یہی نمی ان کے لہجے میں ان کے لہجے میں بھی محسوس کی جانے لگی۔

بیٹے اگر میں بھی آپ کا انتظار نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا۔ شعیب کا منہ کی کھیت جاتا

مکمل ناول

NOVELS KA JAHAN

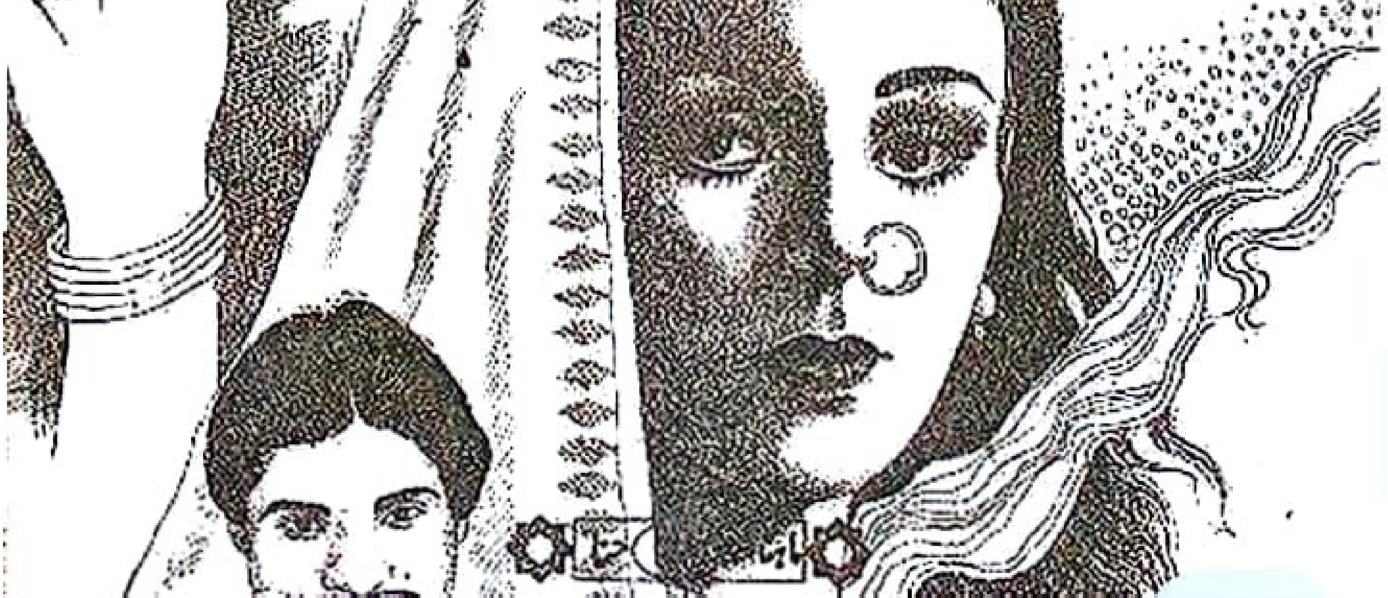

PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.co

www.pkdig

چمچ والا ہاتھ ٹھٹھک گیا اس کے چہرے پر یکلخت ایک عجیب تاثر ابھرا تھا اگلے ہی لمحے وہ گہرا سانس کھینچتا ہوا چمچ واپس پلیٹ میں رکھنے کے بعد کرسی گھسیٹ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹے کھانا تو لیجئے۔ صمد بابا سے دروازے سے نکلتے دیکھ کر ٹپٹائے اور بھاگ کر اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ شعیب نے آہستگی و نرمی سمیت ان کا ہاتھ ہٹا دیا تھا۔ ''مجھے بھوک نہیں ہے بابا''۔ وہ ایک جملہ کہہ کر پلٹ کر چلا گیا۔ جبکہ صمد بابا زبان پھسل جانے پر خود کو کوستے بے دلی سے یونہی بریانی کی بھری پلیٹ واپس فریج میں رکھنے لگے۔ انہیں اس کے کھانا نہ کھانے کا ملال افسردہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

عمیر تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے بر دکھاوے کو نہیں جا رہے ہو۔ تمہیں مہمان کو ائیر پورٹ سے ریسیو کرنا ہے۔

امی نے اندر آتے ہی اسے بے دریغ جھاڑ کے رکھ دیا مگر اس پہ جو اثر ہوا ''بر دکھاوا ہی تو ہے پیاری امی انگریزی زبان کا وہ مشہور و معروف معقولہ سن رکھا ہے آپ نے فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن'' عمیر نے خود پہ پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے قہقہہ لگایا پھر ایڑیوں بل گھوم کر شوخی سے آنکھیں گھما کر بولا۔ ''کیسا لگ رہا ہوں ماں جی۔ بالکل پرنس'' انہوں نے بے اختیار بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ تو عمیر نہال ہو اٹھا تھا۔

بس امی میں چاہتا ہوں مایا کو پہلی نظر میں ہی پسند آ جاؤں جانتی تو ہیں بڑے باپ کی اکلوتی بیٹی۔ میرے تو مانو مزے آ جائیں گے اس نے فضہ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

ڈونٹ وری یار تمہارا نمبر پکا ہے۔ اسد یہاں ہے نہیں اور ظہیر ابھی چھوٹا ہے۔ رہ گیا شعیب تو اس کا دماغ خراب تھوڑی ہے کہ وہ تم جیسے اسمارٹ اور گڈ لکنگ لڑکے کو چھوڑ کر اس کا انتخاب کرنے''۔ فضہ نے طنزیہ انداز میں کہہ کر قہقہہ لگایا۔ تو امی انہیں مصنوعی خفگی سے گھورتی مسکراہٹ دباتیں باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''آپ نے بتایا نہیں میں آپ کو کیسا لگا ہوں''۔

عمیر کو اپنے بارے میں جاننے کی پریشانی لگی ہوئی تھی مایا ہر لحاظ سے پرکشش تھی صرف دولت کی ہی چکا چوند نہیں تھی وہ بے مثال حسن کی بھی مالک تھی عمیر کا تو بس نہیں چل رہا تھا۔ کسی طرح اس سے فوراً نکاح ہی کر لے شعیب سے تو خطرہ نہیں تھا لیکن اسد کا دھڑکا ضرور اس کے دل کو لگا ہوا تھا جو آج کل کوکاکول میں تھا اور لفٹیننٹ بھرتی ہوا تھا اور اس میں شک بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے زیادہ وجیہہ تھا۔

مایا جواب میں بے فکری و لاپرواہی سے ہنس دی تھی۔

gest.com

''کیا مطلب جی کیسا لگا۔ جیسے آپ ہیں آف کورس ویسے ہی لگتے ہیں نا ویسے مائنڈ مت کیجئے گا آپ میں ایسا قابل ذکر کچھ ہے بھی نہیں سوائے سفید چمڑی کے جو امریکہ میں بھی بے شمار بکھری پڑی ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے ایک بار پھر ہنسی تھی۔ عمیر کو گو کہ ہنسی میں اس کا ساتھ دینا اچھا تو نہیں لگا مگر مروتاً ہنس دیا تھا۔

مایا نے اب کی بار قدرے رک کر بغور اسے دیکھا تھا پھر ازلی بے نیازی سمیت کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''ضروری نہیں ہے گو کہ ممی اور ڈیڈ کی خواہش یہی ہے کہ میں پاکستان میں ہی کہیں کھپ جاؤں لیکن بات ساری میری پسند کی ہے دیکھیں اگر اس حوالے سے کوئی اچھا لگ گیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ویسے آپ کیوں اتنی دلچسپی لے

رہے ہیں۔"

اس کا اعتماد عمیر کو نروس کرنے کو کافی تھا۔ جواباً وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ مایا کو بھی جواب کی شاید ضرورت نہیں تھی وہ اسی وقت چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی فضہ کی سمت متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

"امی کسی پیر فقیر سے ہی رابطہ کرلیں وہ لڑکی تو قابو میں آتی ہوئی نہیں لگ رہی لگتا ہے آپ کی راشد ماموں کو منانے کی کوشش میں صرف کی گئی توانائیاں رائیگاں ہی جانے والی ہیں محترمہ کو ڈراموں نہ فلموں اور نہ ہی کہانیوں والی محبت ہوئی آپ کے حسین وجمیل سپوتوں سے اسد صاحب بھی گھائل نہ کرسکے انہیں تو۔" عمیر تو خاصا بددل تھا۔

"ہو جائے گی محبت بھی تم اتنی جلد بازی سے کام نہ لو تمہاری یہ ہیڑ دھپڑ والی عادت ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہے تمہارے لئے یاد رکھنا تم۔" امی ابھی بھی مطمئن تھیں عمیر کو بڑے موقع سے گر کی بات بتادی اس نے سنبھال کر گرہ باندھ لی تھی۔

"سنو عمیر!" یہ اسی رات کی بات تھی وہ سب کھانا کھا چکے تھے۔ عمیر تو مایا کو اپنے ساتھ چہل قدمی کی پیشکش بھی کر چکا تھا۔ مگر اس کی ساری توجہ اس بار مووی نے حاصل کر رکھی تھی جو اس نے صمد بابا سے کہہ کر بلکہ اپنی پورے شہر کے تمام ویڈیو سنٹر پر خوار ہوکر منگائی تھی۔ اس کے صاف جواب پہ وہ خاصا بددل اور مایوس ہوکر خود بھی چہل قدمی کا ارادہ ترک کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ چکا تھا جب اسد نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔

"ہاں بولو۔"

اس نے رک کر یونہی کھڑے کھڑے گردن موڑ کر بیزاری سے اسے دیکھا۔

"میرے ساتھ آنا ذرا باہر سڑک کے ایک دو چکر لگانے ہیں۔"

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

چاہا۔ ”اتنی بھی نہیں ہے آ جاؤ“ اسد کے اصرار پر نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

”تم مایا میں انوالو ہو چکے ہو“۔

اسد نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اتنا اچانک یہ سوال کیا تھا کہ عمیر نے چونک کر اونچے پول پہ لگی لائیٹ کی روشنی میں باقاعدہ رک کر اسے دیکھا۔

”تم کیوں پوچھ رہے ہو“۔

عمیر نے جواب کی بجائے الٹا سوال داغ دیا۔ اسد بدمزا ہوا تھا۔

”یار جو پوچھ رہا ہوں اس کا سیدھا سیدھا جواب دو تم“۔ اسد جھلانے لگا۔

”سیدھا سیدھا جواب یہ ہے کہ میں اس سے زیادہ اس کے ذریعے سے ملنے والی دولت میں انٹرسٹڈ ہوں“۔

عمیر نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے تھے اور اس سے آگے چلنے لگا۔

”تو پھر ایسا کرو اخبار میں ضرورت رشتہ کا اشتہار دیکھنا شروع کر دو ایسی دولت مند بہت جنھیں اچھے رشتوں کی ضرورت ہے“۔

اسد کے رکھائی سے کہنے پہ عمیر نے پلٹ کر کسی قدر طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیوں خیریت ہے ناتم یہ مشورہ مجھے آخر کیوں دے رہے ہو“

”اس لئے کہ میں مایا کو پسند کرنے لگا ہوں اور مجھے لگتا ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا۔“

اسد نے دھواں بکھیرتے ہوئے کسی قدر سنجیدگی سے بتا کر عمیر کو ساکن کر ڈالا۔

”مگر بات ہماری تمہاری پسند کی نہیں مایا کی پسند کی ہے پیارے“۔

”ڈونٹ وری وہ خود اقرار کرے گی مجھ سے شادی کے لیے۔“

اسد کے پریقین لہجے پہ عمیر نے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

تبھی سرخ ہنڈا اکارڈ زن سے ان کے نزدیک سے گزر کر آگے بڑھتی انہی کے گھر کے گیٹ کے سامنے جا رکی۔ بلیو جینز پہ گرے شکن آلود کرتا پہنے شعیب فرنٹ ڈور اوپن کر کے باہر نکلا کھڑکی پہ جھک کر کچھ دیر بات کی پھر پلٹ کر گیٹ کے اندر چلا گیا۔ گاڑی بیک ٹرن لینے کے بعد فراٹے بھرتی گلی کا موڑ موڑ گئی دونوں دم بخود کھڑے تھے۔

”آہم“

اسد کھنکھارا تھا۔ عمیر نے دیکھا اس کے لبوں پہ دبی دبی مسکان تھی۔

”یہ کچھ زیادہ ہی اونچا نہیں اڑنے لگا ہے۔“ عمیر نے دانت پیسے۔

”تو رہے بھی شہزادے کی۔“ اسد کاندھے جھٹک رہا تھا۔

”شہزادہ ونہ۔ جمعدار لگو کر بیٹھ یہ نہیں“ عمیر جھلا اٹھا تھا۔ اسد مسکرا تا رہا تھا۔

”تم تو یوں احتجاج کر رہے ہو جیسے وہ بیچارا مایا کو تم سے ہتھیانے کا“ اسد نے تلملاتے ہوئے عمر کا کاندھا تھپکا۔

”یہ بھی غنیمت ہے ورنہ اسے تو میں سچ مچ شوٹ کر دیتا“۔ عمیر کے لہجے میں عجیب سا تمسخر تھا۔ شعیب جا چکا تھا مگر اب ان کا موضوع گفتگو وہی تھا۔

☆☆☆

رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا وہ لکھتے لکھتے تھک گیا تو چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑا ہوا کھلا پین یونہی کاغذوں پہ رکھ کر وہ باہر نکل آیا۔ اب سے کئی گھنٹے پہلے وہ نہ صرف ڈیڑھ گھنٹے کی نیند لے کر اٹھ گیا تھا اور تب سے اب تک صرف اور صرف لکھ رہا تھا۔ کمرے کی نسبت باہر کی فضا قدرے خوشگوار تھی بلکہ قدرے خنک تھی۔

gest.com

فضہ کو یقیناً ٹھنڈ لگی تھی کہ اپنی چارپائی خالی چھوڑ کر امی کے کمبل میں جا گھسی تھی۔ وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے لمبے کش لیتا فضہ کی چارپائی پہ جا لیٹا۔ بایاں بازو موڑ کر سر کے نیچے رکھتے ہوئے وہ زرد ہالے میں لپٹے چاند کو دیکھنے لگا۔ جو جامن کی چھدری شاخوں میں سر نیوڑائے پڑا تھا۔

آخیر ستمبر کی رات تھی۔ ہوا رک رک کر چل رہی تھی اور کبوتروں کی کابک سے کسی نوزائیدہ کبوتر کی چیں چیں وقفے وقفے سے ابھر کر خاموش رات کے سینے میں شگاف ڈال رہی تھی۔

شعیب سگریٹ کی راکھ جھاڑ کر کہانی کا اگلا حصہ سوچنے لگا۔ ان ہی کہانیوں کی آمدن سے وہ پچھلے کئی سالوں سے اس گھر کے مکینوں کا پیٹ بھر رہا تھا۔ بہت تنگ وقت بھی دیکھا تھا اس نے بہت خوار ہوا تھا میگزین رسالوں کے دفتروں میں تب جا کے کہیں کامیابی نصیب ہوئی تھی اور گزرتے وقت نے اب اسے اس مقام پہ پہنچا دیا تھا کہ کل جو پبلشرز اس کے نادر اور اچھوتے خیالات منفرد کرداروں سے سجی کہانیوں میں مین میخ نکال کر رد کر دیا کرتے تھے۔ اب اتنی دیر تک پرچہ پریس میں بھجوتے تھے۔ جب تک وہ ناول مکمل کر کے نہ بھجوا دیتا۔ آج اس کا کام نام تھا اس کی ڈیمانڈ تھی۔

مگر وہ آج بھی وہی تھا۔ خود سے لاتعلق بے نیاز اور وہی سادہ مزاج اپنی ذات میں گم۔

اردو ادب کی ماسٹر ڈگری اس کے کسی کام نہ آئی تھی اور اس گھر کے بڑے سپوت ہونے کے ناطے ابا کے بعد اس گھر کے مکینوں کو دانا پانی فراہم کرنا اس کی ذمہ داری تھی اس نے ہمیشہ محرومی دیکھی محبت کی اپنائیت کے دو بولوں تک کی اور یہ محرومی بچپن سے اب تک ایک پیاس کی پھر تشنگی بن کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہمیشہ صرف صبر کیا تھا اس کے باوجود کہ ہر لمحہ اس پہ طنز کیا گیا تھا۔ مگر وہ سب سمجھ در گزر کر جاتا تھا صرف ایک ذات کے لئے اور وہ ذات اس کی ماں کی تھی اور جب جاب کے حصول کے لیے کی گئی تگ و دو کسی کام نہ آئی تو اس نے ہنر آزمانا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ صرف دکھ لکھتا تھا وہ دکھ نہیں جو اس کے سینے میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی ذات پہ جو پردے ڈالے تھے انہیں اس طرح سے اٹھانا گوارا تھا بھلا۔ وہ دُکھ تو بس اس کی آنکھوں میں سرخ ڈوروں کی صورت بستا تھا جو اس کے دل میں کینسر بن کر پکتا اور پھوٹتا تھا مگر انگلیوں کی پوروں سے جو دکھ نکلتا تھا وہ انجانا دکھ تھا۔ پوری دنیا کا سانجھا دُکھ۔

جبھی تو لوگ شعیب ہمدانی پہ جان دینے لگے تھے اور یہ ہی روپ تھا۔ لاتعلقی بیگانگی اور بے نیازی کا جب مایا خان نے اسے دیکھا تھا اور بے اختیار اس کی جانب کھنچتی چلی گئی تھی۔ اور اس کے روز و شب کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں سے بے اختیار یہ شعر مچل مچل گیا تھا۔

جھکا ہے سر مگر آنکھوں میں وہ رعونت کہ
عجز میں دیکھ لیں ہم نے خدائیاں کتنی

اور کون جانتا تھا کہ شعیب ہمدانی ایک دنیا کو دیوانہ بنا کر بھی آج تک کسی کی ایک نگاہِ کرم کا منتظر کیسے تڑپا کرتا تھا۔ اس امیری میں بھی کیسی مفلسی تھی یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا اور جانے کیسے اس کے اس روگ کو مایا خاں نے پا لیا اگر وہ جان جاتا تو شاید پھر کبھی دوبارہ اس کی صورت نہ دیکھتا اس کے لیے چاہے اسے یہ گھر چھوڑنا پڑتا چاہے دنیا ہے۔

☆☆☆

ہلکی سی آواز سے ڈھیر سارا باجرہ فرش پر گرا اور دیواروں روشندانوں میں بیٹھے کبوتر اُڑان بھر کے اس وسیع و عریض چھت کے آنگن پہ اُترنے لگے ان کے پروں کی پر جوش آواز نے صبح کے

اجالے میں ایسی ہلچل مچائی کہ اسی طرح ایک زاویے پہ سوئے ہوئے شعیب کی آنکھ ایک ہی جھٹکے سے کھل گئی۔

مایا نے مسکرا کر اسے جاگتے دیکھا اور برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے یونہی مسکراتی ہوئی اسے دیکھے گئی۔

وہ پوری طرح سے بیدار ہوا تو دانہ چگتے درجنوں کبوتر اس کے سامنے تھے اور وقفے وقفے سے ان کی سمت باجرا پھینکتی ہوئی مایا خان۔

"یہ کام تو اس کا تھا وہ کیوں کر رہی تھی"۔

اس نے ایک دم اٹھنا چاہا مگر اس کوشش میں بے اختیار کراہ کر رہ گیا۔ کتنے پہر ایک ہی زاویے سے لیٹے رہنے سے اس کا بازو گویا مفلوج سا ہو گیا تھا۔

پتا نہیں کب سے یہ سلسلہ چل رہا تھا وہ خود ہی سوتا اٹھتا اور کھاتا پیتا تھا۔ کپڑے البتہ لانڈری سے دھل جاتے۔ اس نے بہت ہولے ہولے مسلتے اور دباتے ہوئے بازو سیدھا کیا اور کچھ دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد اٹھ بیٹھا۔

دائیں بائیں بچھی دونوں چارپائیاں خالی ہو چکی تھیں امی اور فضہ جانے کب اٹھ کر چلی گئیں تھی اور ان کی جگہ پر مایا۔ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے اچانک اپنا بایاں ہاتھ اپنے سامنے پھیلایا رات کہانی کے تانے بانے میں الجھتے اسے جانے کب نیند آ گئی تھی۔ سلگتا سگریٹ یونہی انگلیوں میں دبا رہا۔ تپش بڑھتے بڑھتے اس کی انگلیوں تک پہنچی تب وہ ہڑبڑا کر جاگا تھا۔ اپنی ذات کی کنجل میں الجھ کر وہ ہمیشہ خود سے کتنا غافل ہو جایا کرتا تھا۔ مگر اس وقت نیند کا غلبہ ایسا تھا کہ وہ بچی کچھی سگریٹ اچھال کر ایک بار پھر نیند کی وادیوں میں کھو گیا تھا۔ اور اب دائیں ہاتھ کی بڑی انگلیوں پہ سرخ نشان بہت واضح تھا اس نے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

نئے دن کی طلوع ہوتے سورج کی چمک دیکھ کر اسے خاصا افسوس ہوا کہانی بھیجنے کی آخری تاریخ نزدیک تھی لیکن ابھی اسے بہت سا لکھنا تھا۔ خوامخواہ بہت سا وقت برباد کیا اور اٹھ کر ہلکے نیلے رنگ کے واش بیسن تک آ رکا۔

"اپنا خیال نہیں رکھتے آپ سونے سے قبل سر کے نیچے تکیہ رکھا کریں"۔

وہ اپنی بڑھی ہوئی شیو کا آئینے میں جائزہ لے رہا تھا۔ اس آواز پر یوں حیرت سے پلٹا جیسے اس کے مخاطب کرنے پہ غیر یقینی میں مبتلا ہو۔

"چہرے کا ناس ہو گیا ہے آئندہ آپ تکیے کے بغیر نہیں سوئیں گے" وہ اس کے چہرے کی بائیں جانب گال پہ بان کی چارپائی سے ثبت ہو جانے والی نشان کی سمت اشارہ کرتی بہت اپنائیت سمیت دوستانہ انداز میں گویا تھی جبکہ وہ ہنوز ساکن تھا۔ معاً ایک جھٹکے سے پلٹا اور اپنے کمرے میں جا گھسا۔

gest.com

اپنا بلیک کرتا شلوار نکالا اور واش روم میں جا گھسا۔ نہا کر باہر آیا اور تولیہ تار پر اچھال کر کمرے میں آ کر اپنے ادھورے مسودے کا جائزہ لیتے ہوئے اسے چائے کی شدید طلب محسوس ہوئی تھی مگر اس وقت خود چائے بنانے کا مطلب تھا وقت کی بربادی۔ اس نے کچھ سوچا اور باہر آ کر سیڑھیوں کے پاس رک کر صمد بابا کو پکار کر چائے کا کہا تھا اور پلٹ کر ایک بار پھر کمرے میں آ گیا۔ اور جب تک چائے آئی وہ لکھنے میں بڑی طرح سے منہمک ہو چکا تھا۔

"یہ آپ کی چائے"۔

مایا خان کی آواز پہ اس کا سر ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس کی مسکراہٹ نے موڈ سخت آف کر دیا۔

"میں نے صمد بابا سے کہا تھا"۔ تیکھے انداز میں جتایا گیا۔

"مگر وہ اس وقت بے حد مصروف تھے

بیچاروں نے شاید آپ کی آواز نہیں سنی ویسے آپ کو چائے سے مطلب ہونا چاہیے۔ بنانے لانے والے سے نہیں"۔

وہ قدرے شوخی سے آنکھیں نچا کر بولی تھی۔

شعیب نے لب بھینچ لیے۔

"ارے خوامخواہ تکلف کیوں برت رہے ہیں۔ آپ رضا مند تو ہوں ہم ایسی خدمتیں ہمیشہ کے لیے بھی اپنے سر لے لیں"۔

زندگی سے بھرپور چہکتی ہوئی آواز پہ شعیب کے وجود کو جھٹکا لگا۔ اس نے اب کی مرتبہ پلٹ کر براہ راست اسے دیکھا تھا جس کا اطمینان قابل دید تھا۔ اس پہ مہا ستم حوصلہ بڑھاتی ہوئی مسکراہٹ۔

"یہ چائے کا کپ اٹھائیے اور چلی جائیے یہاں سے"۔ اس کا لہجہ اتنی خشکی اتنی رکھائی لیے تھا کہ ایک پل کو مایا خان جیسی بولڈ لڑکی کی بھی پزل ہو کر رہ گئی۔

"ارے خفا کیوں ہوتے ہیں میں تو ایک آفر کر رہی تھی آپ کو مرضی ہے نا قبول کریں یا نہ"۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر وہ مصالحانہ انداز میں بولی تھی۔

"ویسے کیا اسی بدمزاجی کی وجہ سے آپ سارے گھر سے الگ تھلگ پڑے ہیں"۔

وہ کہتے ہی بھاگ لی تھی کچھ عجب نہیں تھا کہ وہ وہی اس کا لایا چائے سے بھرا کپ اس کے سر پہ مار کے توڑ دیتا۔

☆☆☆

اس نے اکڑی ہوئی انگلیوں کو سکون دینے کی غرض سے اٹھ کر چائے بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس طرح کچھ مزید اچھا سوچنے کی فرصت میں میسر آجاتی۔ چائے کا عمل دخل اس کی زندگی میں روٹی پانی سے بھی بڑھ کر تھا۔ پانی سے بھرے مگ میں راڈ لگا کر اس نے سگریٹ نکالی اور ماچس تلاش کرنے لگا۔ تب ہی عقب میں کھنکا ہوا اور مسحور کن خوشبو کا جھونکا آن واحد میں پورے کمرے میں پھیل گیا۔ کاغذوں کا پلندہ الٹ پلٹ کر وہ قدرے جھنجھلا کر سیدھا ہوا تو نگاہ مگ سے ابل کر باہر آتے پانی پہ جا پڑی عجلت میں بڑھ کر اس نے راڈ کا سوئچ کھینچا اور پلٹ کر مایا خان کو دیکھا جو ٹرے میں ناشتے کے لوازمات سجائے دروازے میں کھڑی تھی۔

خون چھلکاتے سرخ ہونٹ مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں بھینچے ہوئے تھے۔

"ناشتہ کر لیجئے پہلے چائے پی پی کے معدہ بعد میں بھی جلایا جا سکتا ہے"۔

"آ آپ" غصے کی زیادتی سے وہ بات مکمل نہ کر پایا۔

"جب اور کوئی نہیں کرتا تو میرے کرنے میں کیا حرج ہے"۔

وہ اس کی بات ٹوک کر رسانیت سے کہتی قدم بڑھا کر اندر آ گئی۔

شعیب کو ایک بار پھر لگا اس نے ہمدردی کی آڑ میں تھپڑ مارا ہے اسے وہ لب بھینچے ہوئے پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

کچن سے ماچس لے کر واپس آیا تو مایا میز پر رکھی چیزوں کو ترتیب دے رہی تھی۔

"پلیز"۔

اس نے قدرے سختی سے ٹوکتے ہوئے اسے پیچھے ہٹایا اور خود کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ مگ میں ٹی بیگ ڈال کر خشک دودھ حل کرتے ہوئے وہ اس کی موجودگی سے قطعی بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

"اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی مایا کی نگاہیں اس لکیر پر ٹھہر گئی تھیں جو اس کی دونوں بھنوؤں کے درمیان بڑھتی رعونت سے گڑی تھی۔

"کیوں کھڑی ہو یہاں اب"۔

گرم چائے حلق سے اتارتے ہوئے وہ پیشانی پہ تیوریاں ڈالے براہ راست اسے دیکھ کر بولا۔

مایا سے کوئی بات نہ بن سکی وہ اسے بتا نہ سکی کچھ وہ اس سے پوچھ نہ سکی کچھ بھی وہ کچھ دیر اس پہ نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ بالکل ویسی ہی نظریں جو بچے کو اس کی غلطی کا احساس دلانے کو تنبیہہ آمیز ہوتی ہیں۔ وہ ڈھٹائی سے اپنی جگہ جمی رہی یہاں تک کہ وہ سر جھٹک کر کچھ بڑبڑاتے ہوئے باقی ماندہ چائے پینے لگا۔

اس ایک نگاہ میں اس مغرور شخص کو قید کر لینے کی آرزو تھی اس کا ایک ایک نقش چھو لینے کی چاہ، آنکھ کی پتلی میں گھات لگائے بیٹھی تھی۔

''سنیں میں جانتی ہوں آپ میری موجودگی سے ڈسٹرب ہو رہے ہیں میں چلی جاتی ہوں بس آپ مجھے اپنی کوئی کتاب پڑھنے کو دے دیں دراصل میں آپ کو پڑھنا چاہتی ہوں''۔

وہ ایک طویل گہرا سانس کھینچ کر بالآخر بول پڑی۔

''مجھے نہیں میری کتاب کو''۔ وہ جیسے تصیح کر کے بولا۔

''جی ایک ہی بات ہے''۔ وہ مسکرائی۔

''ایک بات نہیں ہے''۔ وہ جانے کیوں جھنجھلایا۔

''اوکے اوکے آپ اپنی کتاب ہی دے دیں''۔ مایا نے مسکراہٹ دبائی۔

''اس کے لئے آپ کو مارکیٹ جانا پڑے گا''۔ وہ نخوت سے کہہ کر خالی کپ میز پر رکھنے لگا۔

''میں آپ کی کتاب باحفاظت واپس''

''دیکھئے مس میرے پاس اپنی کوئی کتاب نہیں ہے آپ سمجھتی کیوں نہیں'' وہ جھلا کر ذرا زور سے بولا۔ مایا خفیف سی ہوگئی۔

''اوکے یہ بات آپ آرام سے بھی کر سکتے تھے۔ سنا ہے آپ کی کہانیوں پہ ڈرامے بھی بنتے ہیں پھر تو آپ کچھ زیادہ ہی مشہور ہوئے مجھے بتائیے پلیز آپ کا ڈرامہ کب لگتا ہے میں ضرور دیکھوں گی'' اس کے لہجے میں بچوں کا سا معصومانہ پن اور اشتیاق تھا۔ جبکہ اس کے برعکس شعیب بھنا اٹھا تھا۔

''میرا ڈرامہ واٹ نان سنس۔ میری تحریر کا ڈرامہ''۔ وہ دانت کچکچانے لگا۔ ''ویل'' وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔

''آپ ہر بات کا برا کیوں مانتے ہیں مسٹر شعیب''۔ وہ یونہی ہنستے ہوئے سرخ چہرے سمیت بولی۔ جبکہ وہ اسے گھورتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتے شعیب نے اس کی کلائی اپنے آہنی ہاتھ میں جکڑی تھی اور اگلے ہی لمحے اسے دہلیز سے باہر دھکیل کر دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ گن رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''شعیب ہمدانی'' کتابوں کے ریک کے آگے کھڑی وہ اسی ایک نام کے ڈھونڈیا میں گم تھی جب اس پرجوش پکار پہ بے ساختہ گردن موڑی۔ وہ لڑکی میگزین کے کھلے صفحات پہ جھکی ہوئی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ'' وہ دونوں ہاتھوں میں میگزین جکڑے اسے اپنے لبوں سے چھو رہی تھی۔

''یہ بندہ میرے سامنے آجائے تو تو جانے میں کیا کر ڈالوں''

مایا پوری کی پوری مڑ کر اسے تکنے لگی۔ کھلے پائنچوں کی پینٹ فل سلیوز کی ٹائٹ سی شرٹ گریبان کے بٹن اس حد تک کھلے تھے کہ نگاہ کسی مکار بچھو کی طرح پھسل پھسل کر اس کے آخری بٹن سے لپٹ جائے۔ گلے میں جھولتا لاکٹ ہر سانس کے ساتھ ہلکورے لیتے سینے پہ زخمی سانپ کی طرح لوٹ رہا تھا گوری رنگت نم گلابی ہونٹ بھوری

آنکھیں وہ بلا شبہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ مایا نے اس کا بھرپور جائزہ لے کر گہرا سانس بھرا۔

"یہ شخص جادوگر ہے پورا"۔ اس کی آواز میں جلترنگ سی اتری ہوئی تھی۔ مایا نے ایک کتاب منتخب کی اور کاؤنٹر کی جانب جانے کو قدم بڑھا دیئے۔

"تم کیا جانو شعیب ہمدانی تمہیں کتنی انمول چاہتیں میسر ہیں جو صرف نصیب سے ملا کرتی ہیں" اس کی سنہری آنکھوں میں ملال در آیا۔

وہ اونچا پورا بھرپور مرد جو باپ کی تصویر سینے سے بھینچے سسکتا ہوا اپنی محرومیوں پر ماتم کناں ہوتا کیسے اس کا دل ہزاروں ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ اور اس ایک پل میں کیا تھا ایسا کہ مایا خان اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر گئی تھی۔

"اپنے حق کے لئے آگے بڑھ کے جدوجہد کرنے والے یا تو بزدل ہوتے ہیں یا کم ہمت اور کاہل۔ آپ کم ہمت اور کاہل تو نہیں ہیں بزدل شاید ہوں"۔ وہ جو اس کی ذات کی پرتوں کو پانے کو بے قرار رہا کرتی تھی اس وقت جیسے موقع غنیمت جان کر دخل دے گئی تھی۔

شعیب ہمدانی یونہی ساکن ہو گیا تھا جیسے کسی اہم راز کے افشا ہو جانے پر کوئی ساری خدائی صلاحیتیں رکھتے ہوئے بھی مفلوج ہو جاتا ہے۔

"آگے بڑھو اور چھین لو کیوں مظلوم بنے ہوئے ہو۔ تم طاقتور ہو اپنی بقا کی اپنی جیت کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" مایا نے اسے اکسایا ہی تھا اور تب شعیب ہمدانی کا سکتہ بھی جیسے ٹوٹ گیا تھا۔

"چلی جاؤ یہاں سے" اس وقت وہ خود سے بھی نگاہیں چرا رہا تھا۔

"مت بھاگو شعیب خود سے اب تم تھک گئے ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہیں اپنی ذات کا ڈسکس ہونا گوارا نہیں مگر میں تمہاری ہمدرد ہوں تم سے محبت"۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ" وہ اتنی وحشت اتنی قوت سے دھاڑا تھا کہ مایا اپنی جگہ دہل کر رہ گئی تھی۔

"شعیب"

"میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ اب اگر تم نے مجھے مخاطب کیا میری ٹوہ میں رہیں" وہ سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"کیسی لڑکی ہو تم اپنی نسوانیت کی بھی پرواہ نہیں ڈوب مرو اس دل سمیت جو اتنا ناداں ہے کہ تمہیں رسوا کرانے کے درپے ہے" اس کی محبت کے دعوے پہ وہ جیسے پاگل ہو اٹھا تھا اور براہ راست حملہ اس کے کردار پہ کیا تھا۔

مایا کو لگا تھا اس کی آنکھوں سے کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا ہو۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے سڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی تھی۔ اور پھر ہاں ان گزرنے والے چند دنوں میں جن میں دانستہ اس نے شعیب ہمدانی کی صورت نہیں دیکھی تھی اسے یہ احساس بخشا تھا کہ وہ بات جو محض یونہی اس کے سامنے کہہ آئی تھی پوری جزئیات سمیت اس کے وجود میں نیچے گاڑھے بیٹھی ہے ہاں وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی۔ یہ انکشاف ایسا تھا کہ اس نے بغیر کسی پس وپیش کے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"چلو اچھا ہوا شعیب ہمدانی ورنہ تمہاری ہمدردی میں اتنا بڑا قدم اٹھا کر شاید میں بہت جلد تھکنے لگتی" اس نے شانت ہو کر سوچا تھا۔

☆☆☆

ایک کہانی مکمل ہو گئی تھی اسے رجسٹری کرنے کے بعد وہ شہر کی مین مارکیٹ کی جانب آ گیا۔ گاڑیوں موٹر سائیکلوں رکشوں سے بچتا بچاتا سڑک پار کر کے وہ اپنی مطلوبہ ایک جنرل اسٹور میں گھس گیا۔ خشک دودھ کا ڈبہ ٹی بیگ اور مہنگے برانڈ کے سگریٹ خرید کر وہاں سے نکل کر وہ ایک

www.pkd

ردی کی دوکان پر آ گیا اچانک اسے یاد آیا تھا۔ اگلا ناول لکھنے کے لئے پیپر کم تھے۔ اس نے پیپر خریدے اور پھر بہت سی ردی کھنگال کر چند پرانی مگر نادر کتابیں بھی مطالعہ کے لیے لے لیں۔ رقم کی ادائیگی کر کے وہاں سے نکلا تو پرہجوم راستوں کو چھوڑ کر قدرے سنسان سی سڑک پر آ گیا۔

''آئی لو یو'' مایا خان کی پرجوش آواز اس کے کانوں میں گونجی تو سر جھٹک دیا۔

سورج ابھی پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی آسمان پر اڑتے پرندوں کے پروں پر تھکن پوری طرح وارد ہوئی تھی ہاں مگر وہ تھکنے لگا تھا جبھی رک کر ایلمنٹری کالج کے سامنے بہتی نہر کے کنارے جا بیٹھا۔

''میرا ہاتھ تھام لو شعیب آئی پرامس ود یو تمہارے سارے دکھ اپنی پلکوں سے سمیٹ لوں گی''۔ اس کی آواز نے پھر پیچھا کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نہر کا پانی تھا سبک روی سے بہتا ہوا اس نے ذہن بٹانے کو یونہی اک چھوٹا سا کنکر اٹھا کر پانی میں اچھالا اور پھر بنتے ٹوٹتے دائروں کو دیکھتے ہوئے ٹانگیں اپنے سامنے پھیلائیں اور درخت سے پشت ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اس جامد و ساکت پل میں اس نے گھڑی بھر کو خود کو سوچا۔

گرد آلود چمڑے کا کھلا جوتا گھسی ہوئی جینز جس کے پائنچے اس کے جوتوں کے ساتھ گھسیٹ گھسیٹ کر پھٹ چکے تھے۔ گھٹنوں تک کھدر کا بوسیدہ گرے کرتا سیاہی مائل ہونٹ جن میں سگریٹ کے دھوئیں کی کڑواہٹ رچ بس گئی تھی کھڑی ناک بڑی بڑی سیاہ آنکھیں گھونگھریالے بال جو بڑھنے کے بعد بڑے بڑے گچھوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ سانولی رنگت جسے امی کالی سے تشبیہ دیتی تھیں۔ جبھی عمیر اور اسد کے ساتھ فضہ نے بھی بلا دریغ اسے کالو کا خطاب دے دیا تھا۔ چوڑے شانے ان پر جھولتا چمڑے کا بیگ جس میں آج کے خریدے گئے سامان کے علاوہ ماچس کی ڈبیہ ادھ جلی سگریٹوں کے کئی ٹکڑے چھوٹے بڑے کاغذ جن پر ادھورے مکالمے ادھورے کردار تحریر تھے۔ یونہی بے معنی سے جملوں سے اٹے ہوئے پرزے دو تین رنگ برنگی چیونگمز اور ایک گھڑی جس کا ایک اسٹریپ ٹوٹا ہوا تھا لیکن وقت بتاتی تھی یہ تھا وہ یعنی شعیب ہمدانی اور اس کے خیال میں اس کی ذات میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا کہ کوئی لڑکی یوں اس سے محبت کا اظہار کر دیتی۔ کتنا غافل تھا وہ خود سے یا پھر انجان بن رہا تھا۔ نہیں یقیناً اس کے اندر جنم لینے والا وہ احساس و غیر یقینی کا احساس اسے مشکوک بنا گیا تھا۔

امی اسد عمیر اور فضہ یہ وہ اہم نفوس تھے جن کے بیچ وہ رہا تھا جن کی آنکھوں میں اس نے ہمیشہ ایک ہی رنگ دیکھا تھا تحقیر کا تمسخر کا اور کمتری کا۔ وہ ناپسندیدہ تھا۔ پھر یہ محبت۔ وہ یقین کرتا بھی تو کس طرح۔

gest.com

''یہ دیکھو۔''

مایا نے اگلے کئی دنوں بعد سوجھی آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کہتے ہوئے اپنی کلائی سے آستین ہٹائی تھی۔ اس کی استعجابی انداز میں اٹھی ہوئی نگاہ ٹھٹھک گئی تھی۔ اس کی دودھیا کلائی سے کچھ اوپر شعیب ہمدانی کو نیلگوں الفاظ کھدے ہوئے تھے۔

''اب بھی یقین نہیں کرو گے شعیب''۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو رہے تھے۔

''جسم کے کسی حصے پہ کسی کا نام لکھوا لینے سے کوئی کسی پہ محبت کی صداقت ثابت نہیں کر سکتا'' وہ پہلے سے زیادہ روڈ نظر آنے لگا تھا۔ مایا کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''تمہیں یقین بخشنے کو مجھے کیا کرنا پڑے گا

شعیب"۔

"کچھ نہیں اس لئے کہ مجھے تمہارا یقین نہیں چاہئے"۔ وہ سرد آواز میں پھنکار کر بولا تھا۔ اسے اپنی ہی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے دیکھا سورج کی نارنجی کرنوں کا رنگ مرجھانے لگا تھا دھیرے دھیرے چلنے والی ہوا نے سبز لمبی گھاس میں سرسراہٹ سی پیدا کی تو اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ شام کی لالی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ جھوٹ فریب محض دھوکہ وہ زور سے سر جھٹکنے لگا۔ گردن پہ تیز چھبن کا احساس ہوا تھا اس نے بے اختیار ہی ہاتھ اٹھا کر گردن پہ پھیرا بھورے رنگ کی زہریلی چیونٹی اس کی گردن میں منہ گھاڑے بیٹھی تھی۔ اس نے ننھی مخلوق کو اپنی انگشت شہادت سے جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا گھاس لمبی تھی اور اس میں چھپے کیڑے کتنے زہریلے تھے اسے اندازہ نہیں تھا بیگ کاندھے سے لٹکا کر وہ پھر سڑک کے کنارے آ گیا۔ انگلیوں کی مدد سے سرخ ہوتی گردن کو مسلتے ہوئے وہ سورج کے ساتھ ساتھ واپسی کا سفر طے کرنے لگا۔

جس وقت اس نے گھر میں قدم رکھا شام ڈھل چکی تھی اور رات کا اندھیرا ہولے ہولے کائنات پہ اتر رہا تھا۔ بیرونی دروازہ کھلا تھا اس نے اندر آ کر لاک لگایا اور صحن عبور کر کر سیڑھیوں پہ قدم رکھا۔ بھگار کی خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور باورچی خانے سے امی کی روٹی پکانے اور فضہ کے زور زور سے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے سیڑھیاں اور چھت کا برآمدہ طے کر کے کمرے میں آ کر لائٹ جلائی اور بیگ میں سے آج کی خریدی ہوئی چیزیں نکال کر الماری میں رکھنے لگا۔ قدموں کی آہٹ پر فوری مڑنے کی بجائے الماری کے سب سے نچلے خانے میں بیگ رکھ کر وہ اطمینان سے پلٹا تھا۔ اور روبرو مایا کو پا کے اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"کھانا لاؤں"۔ وہ جانے کس مٹی کی بنی تھی ماتھے کے بلوں کو گنے بنا بڑے خوشگوار لہجے میں بولی۔

"آج سے پہلے میرے کھانے پینے کا تم دھیان نہیں رکھتی آئی ہو"۔ وہ پھٹ پڑا تھا۔

"آج کے بعد تو مجھے ہی رکھنا ہے" اس کی ڈھٹائی اور مستقل مزاجی قائم دائم تھی۔

"ناؤ گیٹ لاسٹ" دروازے کی سمت انگلی اٹھا کر بولا مایا کو جانے کیا سوجھی کہ کتنی دیر چپ چاپ اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے پلٹ گئی شعیب نے اپنے پلنگ پہ بیٹھتے ہوئے جوتے اتارے تو پیروں میں شدید دکھن کا احساس سا ہونے لگا۔

پتہ نہیں یہ بے مقصد اور بے ارادہ چلنے کی عادت کہاں سے چرالی تھی اب تو لگتا تھا چمڑے کے بھاری جوتے کو گھسیٹتے کولتار کی سڑکوں کو پیچھے دھکیلتے اس کے پیرون کے تلوے سپاٹ ہو گئے ہیں اسی بے نام سی مسافت میں خوار ہوتے حالات سے اپنے نصیب سے بھاگتے اس کی ایڑیاں پھٹ گئی تھیں اور انگلیاں پھیل کر کچھ اور چوڑی ہو گئی تھیں اور پچھلے کئی گھنٹوں میں اس نے چند کاموں کے سوا بھلا کیا بھی کیا تھا۔

فٹ پاتھ پر بیٹھ کر سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے آتی جاتی سینکڑوں گاڑیوں کو دیکھا تھا شہر کے پوش علاقے میں جا کر خوبصورت خوابناک بنگلوں اور کوٹھیوں کو اپنی آنکھوں میں سمویا تھا سڑک کنارے بہت دور تک پھیلی ویران بنجر زمین پہ اپنی بستی گاڑے خانہ بدوشوں کے چہروں پہ سجا دربدری کا دکھ چنا تھا خوبصورت لڑکیوں کے تیکھے نقش چرائے تھے۔ بھدی عورتوں کی حسرتوں کو شمار کیا تھا ایک بوڑھے فقیر کے ساتھ ریزگاری گنتے ہوئے چند سکے اپنی طرف سے شامل کئے تھے اور سڑک سے ملنے والی نئی نکور گڑیا کی مالک بچی کو

ڈھونڈنے کے لیے وہ پہروں اسی مقام پر کھڑا رہا تھا سینکڑوں مناظر نگاہ کے سامنے سے گزرے آنکھ بھر گئی مگر دل وہ خالی کا خالی تھا۔ اور اسے خود خبر نہ ہوئی اس کی بے چینی اسے کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ ہزار چہروں میں وہ کسی کے نقش کھوجتا تھا خوبصورت گھروں پر نگاہ ٹکائے رکھنے کے بعد ایک چھوٹے ٹوٹے پھوٹے گھر میں بستے مکین اسے اپنی طرف کیوں کھینچنے لگتے ہیں خوبصورت لوگوں سے محبت اور بدصورت لوگوں سے عشق کیوں ہے سڑک پہ اندھا دھند چلتی گاڑیوں کا کوئی مول نہیں مگر ایک محنت کش بوڑھے کی عمر رسیدہ سائیکل بھی تو انمول ہے۔

''یہ لیجیے گرما گرم بریانی ود سلاد اینڈ رائتہ'' اس کی چہکتی آواز نے اس کی سوچ کے بہتے دھارے کو روک دیا بند آنکھیں کھول کر دیکھا وہ کھانے کی ٹرے جھک کر ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ اس نے لب بھینچ لیے۔

''تم شروع کرو میں پیپسی لاتی ہوں ٹھنڈی ہونے کو فریج میں رکھی تھی''۔

''سنو'' وہ دروازے تک جا پہنچی تھی اس کی سرد آواز پہ میکانکی انداز میں پلٹی۔

''کیا لوگی تم میری جان چھوڑنے کا'' وہ منہ بگاڑ کر بولا۔

''عمر بھر ساتھ نبھانے کا ایگری منٹ سائن کر لو نکاح کی صورت میں'' وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ شعیب نے سخت مشتعل ہو کر ٹرے اٹھا کر نہایت جارحانہ انداز میں اسے کھینچ ماری۔

''دفع ہو جاؤ'' وہ اگر بروقت جھکائی نہ دیتی تو اب تک اس کی گت بن چکی ہوتی۔

''اجڈ ہو لیکن پھر بھی اچھے لگتے ہو غلط خیال ہے کہ میں تمہاری بدمزاجی سے ہمت ہار دوں گی تم مایا خان کو جانتے نہیں ہو'' شعیب نے نظر کا زاویہ بدل لیا وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

''جا رہی ہوں میں آج، اس کے باوجود بتانے آیا ہوں کہ تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' وہ لکھنے میں منہمک تھا اسی آواز کو سن کر سخت بے زار ہو گیا مگر دانستہ سر نہیں اٹھایا۔

''دنیا بھر میں بہت سے لوگ لکھتے ہوں گے کیا یونہی تن من دھن کا ہوش بھلا دیتے ہیں'' وہ دو قدم نزدیک ہو کر کسی قدر یاسیت سے بولی۔ ''تم پتھر نہیں شعیب میں جانتی ہوں لیکن کسی ایک کے لئے سب کو سزا دینا کسی ایک محبت کے نہ ملنے پہ ہر محبت سے منہ پھیر لینا تو زیادتی ہے نا'' وہ رو دی تھی شاید اس کی بے حسی لاتعلقی سے ہار مان کر۔ شعیب نے جواب نہیں دیا مگر اب وہ پین ہاتھ سے چھوڑ کر سگریٹ سلگا رہا تھا۔

''مت سلگاؤ خود کو'' اسے جانے کیا ہوا کہ ایک دم ہاتھ بڑھا کر سگریٹ اس کے لبوں سے کھینچ لیا۔

gest.com

''مایا'' وہ اس زور سے گرجا کہ کسی بے اختیاری کی کیفیت میں ہو جانے والی حرکت سے ہی وہ نہیں سنبھلی تھی کہ اس کی دھاڑ پہ لرز کر رہ گئی۔ جس تیزی سے شعیب کی آنکھوں میں قہر و غضب کی لالی اتری تھی اس سے زیادہ تیزی سے مایا کا رنگ زردیوں میں ڈوب گیا تھا۔ سگریٹ اس کی لرزتی کانپتی انگلیوں سے چھوٹ گیا تھا۔

''تمہیں اپنی حدود یاد رکھنا چاہئیں مایا خان۔ اس درجہ بے تکلفی کی اجازت میں کبھی بھی کسی کو بھی نہیں دے سکتا''۔ اس کا لہجہ پتھریلا تھا کسی بھی رعایت سے عاری مایا کی آنکھوں میں اتری نمی پر قطعاً توجہ دیتے بنا وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

یہ اس کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ لکھنے کے دوران وہ مکمل تنہائی اور یکسوئی چاہا کرتا تھا نہ کوئی

شور نہ آہٹ نہ کھانا نہ پینا بس سگریٹ کا دھواں کمرے کی فضا کو بوجھل بناتا جاتا اور اس کا قلم رواں رہتا ذرا سی دخل اندازی بھی اسے چڑا دیتی تھی۔ ذہن الجھتا تو کہانی کھو جاتی تھی کردار ہاتھ چھڑا لیتے اور لفظ اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگتے شروع میں اسے سازگار ماحول نہیں ملتا تھا۔ عمیر اور اسد کو تو جیسے اس سے جنموں کا بیر تھا ادھر وہ لکھنے بیٹھتا ادھر وہ اس کے سر پہ پہنچ کر چیخ چیخ کر باتیں شروع کر دیتے۔

وہ مغرور نہیں تھا اس کے باوجود اسے متکبر ہونے کے طعنے اکثر سننے کو ملا کرتے۔ اس نے شہرت کو بلندیوں کو پا کر بھی کبھی سر اونچا نہیں کیا تھا پھر بھی اسے شیخی خور ہونے کا طنز اپنے وجود پہ سہنا پڑا تھا۔ اس کے باوجود اس نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس کے بہن بھائی اس سے جیلس ہیں۔ وہ بس انہیں خوش رکھنے کی کوشش میں خود کو محدود کرتا چلا گیا۔ اپنی ذات کو فراموش کرتا ہوا سمٹ کر ایک نقطے جتنا رہ گیا پھر بھی وہ اپنی ہر سعی میں بری طرح ناکام ہوا تھا۔ نہ امی کی سرد مہری اور خفگی دور ہو سکی نہ اسد عمیر اور فضہ کے دلوں میں اس کے لئے گنجائش نکل پائی۔ لکھتے ہوئے ایک بار پھر اس کا ذہن اس کی سوچ بہک گئی تھی۔

نجانے کتنا وقت بیتا تھا اسے اندازہ نہ ہو پایا۔ کڑوا دھواں خشک حلق میں کانٹے کی طرح سے چبھنے لگا تب اس نے سر اٹھا کر دیکھا پانی کی شدید طلب تھی مگر جگ خالی تھا۔ اس نے انگلیوں میں دبا پین بند کر کے کاغذوں پر لڑھکایا اور کرسی سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا گردن میں شدید اکڑاؤ محسوس ہو رہا تھا اور پپوٹوں پہ جیسے کسی نے بھاری پتھر رکھ دیئے تھے۔ اس گھر کے ایک ایک مکین کی خواہش اور طلب کے لئے اس نے خود کو یونہی تھکایا تھا۔ کچھ دیر تک خود کو یونہی آرام دینے کے بعد اس نے اٹھتے ہوئے کرسی کھسکائی اور پھر قدرے چونک سا گیا۔ میز کی بند دراز سے ایک تہہ شدہ کاغذ باہر جھانک رہا تھا۔ کچھ تعجب سے اس نے وہ کاغذ نکال کر کھول لیا۔

"محبتوں کی حدوں کا یقین کون کر سکتا ہے شعیب ہمدانی اس کی آخری حد جنوں کی سرحد پہ جا ٹھہرتی ہے تم میری محبت تو جھیل نہ سکے میرا جنوں سہہ لوگے میں نے تمہاری بادشاہت میں بنا اجازت گھسنے کی جب بھی کوشش کی اپنی انا خودداری اور نسوانیت کو قربان کر دیا۔ خود کو قربان کرنا چاہتی ہوں بتاؤ کیا کروں۔ میری ذرا سی جرات کی بڑی بڑی سزائیں دینے والے بے حس سنگدل انسان میرے دل پہ زبردستی قبضہ کرنے پر خود کو کیا سزا دینا چاہو گے"۔ آگے ایک طویل نظم تھی اور لکھنے والی مایا خان کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی۔ شعیب نے لب بھینچ کر وہ کاغذ مٹھی میں دبایا اور مڑا ہوا کاغذ کوڑے کی ٹوکری میں پھینک کر خود کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

"وہ ہر کسی سے لاتعلق ہے اب تو لگتا ہے خود سے بھی بچھڑتا جا رہا ہے کسی سے کچھ کہتا بھی نہیں۔ غمی خوشی سکھ پریشانی انسان سو باتیں بانٹتا ہے لاکھ کہتا سنتا ہے ایسی زور آور چپ تو گھن کی طرح چاٹ لیتی ہے بندے کو خدا کی قسم مما مجھے صرف اس سے ہمدردی نہیں ہے مجھے صاف لگنے لگا ہے میں اس کے بغیر ادھوری ہوں جزو لازمی کو مطلب سمجھتی ہیں مما وہ میرے لئے جزو لازم ہے"۔ وہ اپنی ماں کے سامنے کھل گئی تھی۔ شعیب ہمدانی کے دکھ نے اسے بھی اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس نے پھپھو (شعیب کی امی) کے علاوہ فضہ عمیر اسد کے بھی رویوں کے متعلق انہیں بتایا تھا۔

"مجھے تو پہلے پہل یقین نہیں آیا تھا مما کہ وہ

بھی ان کا سگا بیٹا تھا"۔

"میں یہاں محض تمہاری وجہ سے آئی ہوں مایا تم یہ کونسے قصے لے بیٹھی ہو" مما بھی جھلا گئیں انہوں نے شعیب کو دیکھا تھا۔ وہ انہیں ناپسند نہیں تھا مگر اس کا رویہ مایا کی ذات سے لاتعلقی ان کے علم میں آئی تو وہ بدک گئی تھیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہے کیوں اپنی خوشیوں کے پیچھے پڑ گئی ہو ایسا بھی شہزادہ گلفام نہیں ہے۔ ہاں اسد یا عمیر"۔

"نہیں مما پلیز"۔ وہ چیخ پڑی تھی۔ "صرف شعیب" اور مما نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"اس کے باوجود کہ وہ تمہیں اپنانے کا روادار نہیں" ان کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا۔

"آپ پھپھو سے کہئے تو سہی وہ اگر اسے فورس کریں گی تو"۔

"فورس کریں گی" مما کا لہجہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ ایک دم خفت زدہ ہو گئی۔

"مما وہ وہ نہیں ہو جو نظر آتا ہے وہ اندر سے کچھ اور ہے میں اسے"۔

"زندگی ایک بار ملتی ہے مایا۔ اسے تجربے کی بھینٹ نہیں چڑھاؤ"۔ مما وہ زچ ہو گئی۔

"مما میں اسے کھونے کے خیال سے بھی ہراساں ہوں وہ میرے دل میں بستا ہے میری روح کا تعلق اس سے جڑا ہوا ہے کیسا حصار باندھا ہے اسی نے میرے گرد کہ میں بے بس ہو گئی ہوں"۔

"میں پھر کہوں گی تم پاگل ہو رہی ہو"۔

مما نے گہرا سانس بھر کے کہا تھا۔ اور اسے سوچنے کا وقت دے کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

کہانی مکمل ہو گئی تھی وہ ڈاک خانے سے رجسٹری کرا کے باہر نکلا تو بہت دنوں بعد خود کو ریلیکس محسوس کیا کچھ موسم بھی دلفریب تھا آسمان بادلوں سے بھرا ہوا اور ہوا تیز بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ کچھ دیر سڑک کنارے کھڑا رہا سائیکل سواروں کی ایک ٹولی گھنٹیاں بجاتی پیڈل پہ تیزی سے پیر مارتی اس کے قریب سے گزر گئی۔ تو وہ سڑک پار کر کے فٹ پاتھ پہ آ گیا۔

گہرے بادلوں نے ساری فضا کو سرمئی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ موسم کی خنکی بدن میں اتارتے تیز رفتار گاڑیوں سے پل بھر کے لئے گونجنے والے میوزک سے محظوظ ہوتے وہ بل کھاتی سنسان سی سڑک پہ آ گیا۔ سٹیڈیم کے عقبی پارک میں کچھ لڑکے ایکسرسائز کر رہے تھے۔ وہ ہوا میں رچی سبزے کی بھرپور مہک کو محسوس کرتا یونہی چلتا رہا نہ ہی کسی محرومی نے دامن تھاما نہ کسی تکلیف دہ بات کا کیڑا دماغ میں کلبلایا اس وقت سکون سے لطف کشید کرتے ہوئے وہ ہاکی اسٹیڈیم کی طرف جا رہا تھا جب ہلکی پھلکی پھوار اس کے چہرے پر پڑنے لگی۔ تب ہی ایک سلور کرولا اس کے قریب سے گزری اور کچھ دور جا کے رک گئی۔ گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز اس نے سنی بھی تو توجہ نہیں دی۔ البتہ اس وقت وہ ضرور چونکا جب بھاگتے قدموں کے ساتھ کوئی اس تک آیا اور پھر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔ اس نے گردن گھما کر قدرے حیرانی سے ہلکی پھوار میں بھیگتی مایا خان کو دیکھا۔ خوشی اس کے سنہری چہرے پر سونا بن کر اتر رہی تھی لبوں کی مسکراہٹ اتنی ہی بے نیاز تھی جتنا آسمان سے برستا پانی۔

"پھپھو کیسی ہیں؟" یہ اتفاق اس کی زندگی کا پہلا حسین اتفاق تھا کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ شاید اس لئے اتنی خوش تھی کہ قدم زمین پہ ڈھنگ سے پڑ ہی نہ رہے تھے۔

"ویسی ہی جیسی دو دن قبل تھیں"۔ شعیب کی ساری توجہ دائیں طرف بنی نرسری کے سرسبز

شاداب پودوں پر تھی۔
''یعنی تم سے بے نیاز لاتعلق جیسے تم مجھ سے''۔ وہ ایک دم سے کھلکھلائی اور نگاہ اٹھا کر اس کی دراز قامت کو دیکھا۔ سیاہ لباس بہت جچتا ہے اس پر پہلی نگاہ سرسری تھی دوسری بار بھرپور جائزہ لیا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کے سانولے چہرے پہ بہت بچ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد موجود حلقے البتہ پہلے سے گہرے اور سیاہ ہو چکے تھے۔ اس کا جی چاہا اس کی کلائی تھام کر روک لے اور اس کی آنکھوں کے پپوٹوں پر اترا ہلکا براؤن رنگ اپنی پوروں پہ سمیٹ لے۔ آہ۔ پاؤں جانے کہاں جا پڑا تھا سڑک پہ سیدھی منہ کے بل جا گرتی اگر وہ بروقت بازو سے پکڑ کر سہارا نہ دے دیتا۔

''اوف میرے خدایا''۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ اس کا بازو چھوڑ چکا تھا۔ بری طرح شرمندہ ہوتے ہوئے مایا نے خود کو قابو پایا۔

''قدم رکھنے سے پہلے مقام دیکھ لینا چاہیے کہیں کائی ہوتی ہے کہیں کانٹے اور سہارا دینے والے ہر جگہ موجود نہیں ہوتے'' اس کے سیاہ مخملیں بالوں پہ موتیوں کی طرح چمکتی بوندوں کو تکتا وہ سرد مہری سے کہہ رہا تھا۔ اس کے قدم خود بخود سست پڑ گئے۔ ابھی تو اس کی مضبوط گرفت کا لمس بھی اس کے بازو سے جدا نہ ہوا تھا کہ وہ جتا گیا تھا۔

''مان لیا کہ سہارا دینا تمہاری عادت نہیں لیکن اگر یہ جرم تم سے سرزد ہو ہی گیا تھا تو کچھ دیر کے لیے اپنا یا میرا بھرم ہی رکھ لیتے۔''

بارش پہلے سے تیز ہو گئی تھی اس کا چہرا بھیگنے لگا بارش کے ساتھ ساتھ آنسوؤں سے بھی۔ ''اور کبھی کبھار تو دیکھتے بھالتے بھی کانٹا چبھ ہی جاتا ہے شعیب ہمدانی یا جانتے بوجھتے بھی پیر کھائی میں جا پڑتا ہے جیسے تمہاری محبت کا کانٹا میرے دل میں جیسے تم سے ملنے والی تحقیر اور ذلت کے بعد میری عزت کا''۔ اس کے قدم بالکل تھم گئے۔ وہ اس سے کچھ قدم آگے نکل گیا تھا۔ اور ان دونوں کے بیچ بارش کا پانی میں پردے کی صورت تن گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس کی پشت پر نظر جمائے بارش میں بھیگتی رہی شاید وہ مڑ کے دیکھے اسے ساتھ چلنے کو کہے۔ لیکن وہ اس کی امیدوں پر بھی پورا نہیں اترا تھا۔ مایوس ہو کے وہ چند قدم الٹے چلی پھر رخ ہی بدل لیا۔

بارش ہوتی رہی وہ دانستہ خود کو بھگوتا رہا۔ اپنے تنہا رہ جانے کا احساس اسے پل بھر میں ہو گیا تھا مگر پلٹ کر دیکھنا وہ کب کا بھول گیا تھا۔ لوگ ساتھ چلتے ہیں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ مڑ کے دیکھنا عذاب ہے بس تنہائی ہے جو دور تلک ساتھ چلتی ہے۔ بارش کا پانی آنکھوں میں گھس رہا تھا اس نے سر جھکا کر رفتار تیز کر دی۔ اور کچھ فاصلے پر اسٹیرنگ تھامے گہرے دکھ کی لپیٹ میں آئی مایا خان نے ونڈ اسکرین پر پھیلتے پانی کے قطروں کو دیکھ کر سوچا تھا۔

''پلٹ کر دیکھنے والا اگر پتھر ہو جاتا ہے تو نہ پلٹ کر دیکھنے والا پتھر دل پہ نہیں تم اتنے پتھر دل اور جابر کیوں بن گئے ہو شعیب'' گاڑی اسٹارٹ کرنے سے لے کر گھر تک پہنچنے تک اس کا دل بوجھل ہی رہا تھا۔

اور رات جب لوڈ شیڈنگ کی صورت وہ کسی حد تک جھنجلاتے ہوئے موم بتی جلا کر پھر سے لکھنے لگا تھا تب صمد بابا ہلکی برستی کن من میں پھولوں کے بکے سمیت مایا خان کا کارڈ لیے چلے آئے تھے۔

''یہ مایا بی بی نے آپ کے لیے بھجوایا ہے'' وہ پھول رکھ کر چلے گئے۔ سگریٹ کا دھواں شمع کے موم سے دھوئیں میں مدغم ہو رہا تھا جب اس نے پھولوں کو چھوئے بنا کارڈ اٹھا لیا تھا۔ شمع کی تھرتھرائی لو میں موتیوں کی طرح بکھرے الفاظ واضح ہو چکے تھے۔

ں لبجوں کی داستانیں جو تم کہو تو سنائیں تم کو
ت سا ہم جاگتے رہے ہیں چلو ذرا سا جگائیں تم کو
ی ہو جو اک روشنی سی بن کے ہماری آنکھوں میں آئے ہو
ب اپنی آنکھیں ہی کہہ دیا ہے تو پھر بھلا کیوں ستائیں تم کو

اس نے پوری غزل بھی نہیں پڑھی اور کارڈ موم بتی کے نزدیک کر دیا۔ شمع کی لو کارڈ کا کونہ نے لگی۔ وہ سرد نظروں سے دیکھے گیا۔ لفظوں ں بڑی طاقت ہوتی ہے زنجیر بن کر جکڑ لیں تو دل غلام بننے اور روح کو تاوان بھرنے سے کوئی نہیں ف سکتا کاغذ کا یہ ٹکڑا تمہارا رزق بنے اس سے زا اور کیا ہو سکتا ہے وہ چپ چاپ آگ کو بڑھتے یکھتا رہا پھر سیاہ راکھ کو ہتھیلی میں مسل کر ہوا برد کر ۔

☆☆☆☆

چند ہی روز بیتے تھے جب مایا خان کا ڈرائیور ایک بار پھر دروازے پہ آن رکا اور واپسی امی فضہ اور عمیر اس کے ساتھ تھے۔ اسے کیا بی ہو سکتی تھی وہ جامن کے درخت تلے کرسی لے مطالعے میں غرق رہا تھا مگر اس وقت وہ خود و کسی طرح بھی لاتعلق نہ رکھ سکا جب امی رات ماید زندگی میں پہلی بار امی صرف اس سے بات رنے کو اتنی ساری سڑھیاں چڑھ کر اس کے مرے میں آئی تھی۔

''تم مایا سے شادی کرلو''۔

''مگر امی اسے اسد پسند کرتا ہے اور عمیر ھی''۔

کتنی دیر تک بھونچکا ششدر رہنے کے بعد ہ خود کو بولنے کے قابل بنا سکے تھا۔

امی نے بغور اسے دیکھا۔ گویا وہ اتنا غافل تو ہیں تھا اس کا مطلب وہ گھر میں ہونے والی تمام توں سے آگاہ تھا۔

''اس بات کی اہمیت نہیں اہمیت اس بات ی ہے کہ مایا کیا چاہتی ہے''۔ امی نے خشک لہجے میں کہا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑا رہا۔

''کیا اب مجھے تمہاری منتیں کرنا ہوں گی مایا کی طرح''۔ انہوں نے کسی قدر نخوت سے پوچھا تھا۔

''نہیں امی آپ کی بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے'' اس نے خود کو کہتے سنا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کوئی قریبی تاریخ طے کر دوں گی تو تمہیں بتا دوں گی'' وہ پلٹ گئی تھیں۔

وہ سحر زدہ کھڑا تھا اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا امی نے اس سے بات کی ہے بغیر کسی ناراضگی کے بغیر کسی خفگی و طنز کے اس کا جی چاہا مسکرائے اور وہ مسکرانے لگا۔ اس بات پہ دھیان دیئے بغیر کہ یہ خوشی یہ اطمینان کس کے توسط سے اسے ملا ہے۔

☆☆☆☆

''اس کے پاپا بھی ناراض ہیں مایا سے بھی مگر کیا کریں شروع سے ہی ضدی اور من مانی کرنے والی ہے بس کر دیا سب کو مجبور تم فکر نہ کرو اسد میرے بچے یوں چپ رہ کر میرا ضبط اور حوصلہ مت آزماؤ۔ سب کو دکھ دے کر خاص طور پہ ماں کو وہ خوش نہیں رہ سکتے'' امی کی آواز تھی شعیب وہیں تھم گیا۔

ابھی کچھ دیر قبل مایا کو نکاح کے بعد رخصت کروا کے یہاں لایا گیا تھا۔ اور امی نے کہا تھا اپنے کمرے میں جانے سے قبل مجھ سے وہ گفٹ لے لینا جو منہ دکھائی میں تمہیں مایا کو دینا ہے وہ اسی لئے آیا تھا کہ یہ آواز نا چاہتے ہوئے بھی سماعتوں میں گھستی چلی آئی۔ وہی روایتی سی بد دعائیں مگر وہ دہل گیا تھا۔ چپ چاپ وہاں سے پلٹ گیا۔

ایک خوش فہمی تھی شاید نصیب کی کالک دھل گئی ہو مگر ایسا ممکن تھا بھلا امی اس سے کبھی راضی نہیں ہو سکتیں اور وہ کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا یہ بھی ایک المیہ تھا اگر ہم مطمئن یا سرشار نہیں ہیں تو ہم کسی دوسرے کو بھی خوشی نہیں دے سکتے۔ اسے ایک پل

est.com

کو بھی مایا کا خیال نہیں آیا وہ سڑکوں فٹ پاتھوں پہ سمت اور منزل کا یقین کیے بغیر چلتا رہا اور وقت گزرتا رہا خنک ہواؤں نے اسے ٹھٹھرا کے رکھ لیا مگر وہ تو واپسی کا راستہ بھول گیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ اندر آئی تو اسے ہنوز مصروف پایا۔ مایا نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے درزیدہ نظروں سے اسے دیکھا سگریٹ حسب عادت ہونٹوں میں دبا ہوا تھا تازہ شیو کی نیلاہٹوں میں چہرے کا سیاہ تل اس نے بہت دنوں بعد دیکھا تھا وہ ٹرے رکھ کر مڑنے لگی اس نے تب بھی توجہ نہیں دی۔ تب اس کے دل میں جانے کیا آئی کہ دو قدم چل کر پھر پلٹ آئی۔ پھر کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے لبوں سے سگریٹ چھڑا کر وہ تلخ لہجے میں بولی تھی۔

''تمہاری زندگی اب صرف تمہاری نہیں رہی شعیب ہمدانی اس پہ کچھ حق اب میرا بھی ہے'' کیا جتاتا ہوا انداز تھا بلکہ شعیب کو تو اس میں فخر بھی بھرا ہوا محسوس ہوا تبھی اس کے خون میں ابال سا اٹھ کھڑا ہوا مگر وہ نہ چلایا نہ چیخا بلکہ بولا تو لہجہ آگ کی لپیٹیں لئے ہوئے تھا۔

''ہاں یہ صرف میری حماقت تھی کہ تم یہاں حق جتانے آ گئیں اور جس طرح سے آئیں اس پہ فخر کی جرأت تمہیں کبھی نہیں کرنا چاہئے کہ بہر حال بھیک اور مان و اعزاز میں بہت فرق ہوا کرتا ہے''۔ یہ بھلا ممکن تھا کہ شعیب ہمدانی کے اندر آگ بھڑک رہی ہو اور مایا خان کو پھر بھی اس کے حصے کے انگارے نہ ملیں۔

☆☆☆☆

کمرے میں خاموشی تھی اور نیم تاریکی وہ اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ٹیبل لیمپ آن تھا اور اس کا ہاتھ پن تھامے بہتری سے چل رہا تھا کہ وہ ڈسٹرب ہوا۔ اس پرسکون من پسند ماحول میں ایک آواز اس کی توجہ اور ارتکاز کو بکھیرنے کا سبب بننے لگی۔ اس نے لب بھینچ کر گردن موڑی۔ بیڈ پہ لیٹی ہوئی مایا ہر دو منٹ بعد کروٹ بدلتی تھی۔ یوں جیسے نیند نہ آ رہی ہو یا جیسے سخت بے چین ہو ہر جنبش پہ اس کی کلائیوں میں موجود چوڑیاں جلترنگ بجاتیں اور شعیب کی جھنجھلاہٹ مزید بڑھ جاتی۔ کچھ دیر تو اس نے یونہی لب بھینچے اپنی توجہ لکھنے پر مرکوز رکھنے کی کوشش کی تھی مگر جب کامیابی نہیں ہوئی تو کرسی گھسیٹ کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چلتا ہوا بیڈ کے نزدیک آ رکا۔

مایا اسے اپنی سمت آتے دیکھ کر ساکن سی رہ گئی۔ وہ جھکا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی شعیب نے اس کی کلائی پکڑ کر چوڑیاں اتارنا شروع کر دیں۔ انداز کی لاپرواہی اور اناڑی پن سے زیادہ چوڑیاں ٹوٹی تھیں۔ بہت کم اتر پائیں اور جو ٹوٹیں وہ اس کے ہاتھوں کو زخمی کر چکی تھیں۔ ''آئندہ تم کبھی چوڑیاں نہیں پہنو گی سنا تم نے''۔ اس کے ہاتھ جھٹک کر اٹھتے ہوئے درشتگی سے بولا تھا۔ تب سے دم سادھے گم صم نظر آئی مایا جیسے اس کے رویئے کی بدصورت سے ایک دم بپھر اٹھی تھی۔

''سنو سنو شعیب ہمدانی میری بھی ایک بات سن لو''۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی اور اس کے کرتے کا دامن پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا وہ بے خیالی میں لڑکھڑا سا گیا۔

''مجھے بھی بتا دو تم ہو کیا کیا سمجھتے ہو خود کو کیسے انسان ہو تم کس مٹی سے بنی ہوئے تم صرف آرڈر کرنا جانتے ہو تمہیں صرف اپنے دکھوں کی پرواہ ہے وہ دکھ تمہاری نظروں میں کیوں بے وقعت ہیں جو تم دوسروں کی جھولیوں میں ڈالتے پھر رہے ہو۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ'' اس کی غیر معمولی بلند آواز پہ ناگواری سے کہتا شعیب اسے گھورنے لگا۔

''بدتمیزی نہیں ہے یہ مجھے بتاؤ مجھ سے کیا

www.pkdig

رشتہ ہے تمہارا۔ انسان تب ہی دوسرے پہ حق جتا سکتا ہے اگر وہ حقوق کی ادائیگی کرنا جانتا ہو پامالی کرنے والا نہیں۔ مجھے بتاؤ اگر منظور نہیں تھا میرا ساتھ تو کیوں لائے تھے مجھے یہاں انکار کرتیں مر تو نہ جاتی تمہارے بغیر''۔

''بکواس مت کرو مایا'' وہ ڈپٹ کر بولا۔ اس کے اندر اتنا زہر ہوگا وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''بکواس نہیں ہے یہ بکواس وہ زندگی ہے جو میں یہاں اس گھر میں گزار رہی ہوں قابلِ رحم قابلِ ترس بھیک میں ملی ہوئی زندگی کوڑے کے ڈھیر پہ گلی سڑی چیزوں جیسی، جانے کب کا غبار تھا جواب یوں موقع پا کر نکل آیا تھا۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

''مت بھولو کہ یہ بھیک تم نے خود اپنے لئے مانگی تھی'' شعیب نے جیسے سنبھل کر بڑے طنز سے جتایا۔

''ہاں مانگی تھی مگر اب پچھتا بھی رہی ہوں کیا ملا مجھے بتاؤ تم نے پتہ نہیں کب کب کے اور کس کس کے بدلے لینا شروع کر دیئے شادی کی رات کس کے ساتھ رہے تھے بتاؤ مجھے، وہ پھر سے چیخنے لگی۔

''زبان بند کرو'' وہ ایک دم ہی اس پہ جھپٹا۔
وہ اس کی آہنی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔
''بس اس سے آگے ایک لفظ نہیں''۔

''ہاں کیوں سنو گے بھید جو کھلتے ہیں'' وہ خائف نہیں ہوئی مگر شعیب کا تھپڑ ضرور اسے چپ کرا گیا۔

''کہہ رہا ہوں نا چپ ورنہ یہ بھیک میں دیا بندھن ہے وہ بھی توڑ ڈالوں گا'' وہ اسے جھٹک کر دھیمے لہجے میں غرایا۔ مایا یکدم ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔
بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم اسے پرے دھکیلتے ہوئے وہ پھنکار کر بولا تھا مایا روتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔

☆☆☆☆

''مجھے معاف کر دیں شعیب ہمدانی پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا'' اس سے اگلی صبح وہ اس کی کرسی کے پاس کھڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ شعیب نے دھواں اڑاتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی متورم آنکھیں ہونٹوں سے سرخیاں مفقود سرخ مائل بوجھل پپوٹے ریشمی بال بے ترتیب سے کاندھوں پہ بکھرے ہوئے تھے۔

''میں ایک کمزور اور بے بس عورت ہوں شعیب ایک بہت ہی عام سی عورت میرے سینے میں بھی ارمانوں جذبوں اور خواہشات سے بھرا ہوا دل ہے جو ہر وہ بات چاہتا ہے جو مجھے تم سے نہیں ملی تم مجھے دیکھو، مجھے سراہو، مجھ سے باتیں کرو، مجھے چاہو۔ آپ یہ سب نہیں کرنا چاہتے تو بھی ٹھیک مجھے منظور ہے'' پلکیں جھپکتی وہ بڑے ضبط سے بول رہی تھی۔ وہ دشمن کے مرغوب لے اڑا تا نم ہوا آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''لیکن شعیب میں نے بہت کچھ چھوڑا ہے صرف آپ کی خاطر بہت کچھ ہار دیا صرف آپ کو پانے کو۔ شعیب مجھے آپ سے محبت ہے میں آپ کے دکھ اپنی پلکوں پہ سمیٹنا چاہتی ہوں میرا وعدہ ہے شعیب کہ میں میں آپ کی تمام محرومیاں دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ میں یہ سب کچھ کر لوں گی میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں مکمل اور آسودہ۔ مگر اس کے لئے مجھے آپ کا ساتھ چاہئے۔ اس نے اچانک اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔ پھر انہی ہاتھوں پہ اس کے گھٹنوں پہ چہرا ٹکا کر آہستگی سے بولی تھی۔

''آپ کی بے اعتنائی آپ کی بیگانگی سہتی آئی ہوں اب نہیں جھیل سکتی۔ چلیں آپ اس ازدواجی بندھن کو چھوڑ کر دوستی کا نیا تعلق استوار کر لیں مجھ سے'' وہ یونہی اس کے ساتھ لگی سسک رہی

تھی۔ جب شعیب نے آہستگی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے الگ کر دیئے۔ پھر وہیں سے ہاتھ بڑھا کر دراز کھولا تھا اور ایک دوائی کی ٹیوب نکال کر اس کی گود میں پھینک دی۔

"اپنے زخموں پہ مرہم لگالو" مایا نے سر اٹھایا اس کا دل بہت خوشگوار انداز میں دھڑک اٹھا تھا۔ جبکہ وہ اس سے بے نیاز وہ لکھنے میں دوبارہ مصروف ہو چکا تھا۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور اٹھ کھڑی ہوئی آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

لکھتے لکھتے اس نے جھنجلا کر پن زور سے کاغذوں پہ پٹخ دیا اور ہاتھ کی مٹھی میں پیشانی کے بال جکڑ لئے۔ وہ کیوں ڈسٹرب تھا وہ خود کو یہ احساس بھی دلانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر احساس تو اپنا احساس پوری شدتوں سے بخش رہا تھا۔ اس کی ہتھیلی پہ انگلیوں کی پوروں پہ آج صبح جو نازک گداز لمس اترا تھا اس لمس کی خواہش جاگ اٹھی تھی اس کے دل کے اندر۔ آج تو اس نے چوڑیاں بھی نہیں پہنی ہوئی تھیں مگر پھر بھی وہ لکھ نہیں پا رہا تھا۔ تو اس کی وجہ یہی آگ تھی جو ہاتھوں سے دل تک اپنی تپش لیے چلی آئی تھی۔ اس نے یک دم ٹیبل لیمپ بجھا دیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنے ذہن و دل سے اس قسم کے ہر خیال کو جھٹکنے لگے۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی وہ جھنجلا کر اٹھا اور باہر جانے لگا مگر جانے کیسے نگاہ بھٹک گئی تھی۔

وہ بیڈ پہ جانے کیسے آج بہت پرسکون نیند سو رہی تھی اس کے سکون و چین کو غارت کر کے۔ اس کے اندر طیش کا ایک زوردار ریلہ اٹدا اور آگے بڑھا اور جھنجھوڑ کر اسے اٹھا دیا"۔

"ک کیا ہوا" نیم خوابیدہ سحر طاری کرتی ہوئی نگاہیں اور توبہ شکن سراپا۔ وہ اندر سے ڈگمگا گیا۔ دماغ و دل کے اندر جنگ سی چھڑ گئی۔ دل من مانی پہ اکسا رہا تھا جبکہ دماغ کو اپنا غرور اور انا عزیز تھی۔ وہ بس سلگتی آنکھوں سے اسے گھورتا رہا۔

"شعیب کیا ہوا۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا" مایا نے گھبرا کر سوال کیا تھا۔ وہ لب بھینچتے ہوئے بستر پہ گر گیا۔

"نہیں میں نہیں جھکوں گا"۔

"پانی لاؤں آپ کے لئے۔ وہ اس کا کاندھا ہلا کر متوجہ کر رہی تھی۔

"نہیں، وہ چلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ مایا کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ کیا کر رہے ہیں۔ وہ اس کی وحشتوں سے سراسیمگی کی انتہاؤں کو چھوتی دیوانگی دیکھ کر وہ بے اختیار رو دی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا۔ وہ اس پہ جھک کر چیخا۔

"مم میں مگر میں نے کب" وہ اپنی صفائی دینا چاہتی تھی۔ مگر شعیب کے بھاری ہاتھ نے اس کے ہونٹوں کو دبا دیا تھا۔

☆☆☆☆

سرخ شعلوں کا بے درد الاؤ تھا جو اسے بری طرح سے جھلسائے دے رہا تھا چہار جانب آگ ہی آگ تھی۔ تن من کو جلاتی آتی جاتی سانسوں کو سلگاتی دماغ میں جیسے انگارے سے پھوٹ رہے تھے بے بسی سے کروٹیں بدلتے رہنے کا بعد ہاتھوں پہ زور دیتا بمشکل اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دہکتی انگارہ آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اطراف میں دیکھا کمرے کی کوئی چیز اپنی جگہ پر دکھائی نہ دے رہی تھی گول گول گھومتی ہوئیں دیواریں آگے پیچھے کھسکتی ہوئی میز اس نے اپنا سر جھٹکا اور ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا بڑی زور کا چکر آیا تھا لڑکھڑا کر گرنے کو تھا کہ کرسی ہاتھ میں آ گئی۔ کچھ پل یونہی کھڑے رہ کر اس نے اپنے حواس بحال کیے تھے پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا غسل خانے میں چلا آیا نل کھول کر ہاتھوں کی اوک میں پانی بھر بھر کر

چہرے پہ ڈالنے سے ذرا سکون ہوا تو واپس کمرے میں آ گیا۔ نڈھال سے انداز میں چارپائی پہ گرتے ہوئے اسے لگا جیسے پیٹ میں کوئی دوزخ بھڑک اٹھا ہو انتڑیاں بھوک کے مارے سکڑ گئی تھیں جبڑے بھینچ کر ہر تکلیف اور اذیت کو سہتے ہوئے اس نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں کمرے کی چھت یکلخت نیچے آ گئی تھی۔

''آہ'' خود کو بچانے کی کوشش میں اس نے دونوں بازو بے اختیار ہی چہرے پہ رکھ لیے کتنے پل بیت گئے تب ہی کوئی آہٹ کوئی آواز ابھری تھی اس نے دھیرے دھیرے بازو ہٹا لیے آس پاس کوئی نہ تھا اور کمرے میں گھٹن تھی شدید گھٹن وہ لمبے لمبے سانس لے کر وجود میں بھرے حبس سے جان چھڑانے لگا بے دم ہونٹوں پہ پیاس تڑپ رہی تھی جب دروازے کی چوکھٹ پر کوئی ہیولا سا نمودار ہوا کسی موہوم سی آواز نے خاموشی کی چادر پہ سلوٹیں سی ڈالی تھیں۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر دیکھنے اور سننے کی کوشش کی کمرے میں اندھیرا اتنا زیادہ تھا یا پھر اسے ہی کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

تبھی اس نے اپنی جھلستی پیشانی پہ ٹھنڈک سی محسوس کی رگ جاں کو سکوں بخشنے والی ٹھنڈک جلتی بلتی آنکھیں کھول کر اس نے آنے والے کو دیکھا۔ کوئی تھا نزدیک ہی بہت قریب اس نے دھندلائی آنکھوں سے خود پہ جھکے وجود کو پہچاننے کی کوشش کی اس کے چہرے کو نرمی سے تھپتھپاتا نازک ہاتھ کا لمس۔ اس نے بے اختیار ہی اس ہتھیلی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

''کون مایا'' سوکھے لبوں سے بامشکل لفظ ادا ہوئے تھے۔ جواباً مدھری ہنسی کی آواز ابھری تھی وہ ایک پل میں پہچان گیا اور ایک ہی پل میں ہی دہشت کے گھیرے میں آ گیا۔ اسے لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہو'' دیکھا ہار گئے نا تم مجھ سے میرے بے تحاشا حسن سے بہت اکڑتے تھے''۔ اس نے دانت بھینچے اور اس کے دونوں ہاتھ دبوچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

''نہیں ہارا ہوں میں کبھی نہیں ہارا ہوں میں تمہیں جان سے مار دوں گا''۔ وہ اس کا گلا دباتے ہوئے حواسوں میں نہیں تھا۔ جبکہ مایا کی چیخوں کے در و دیوار کو لرزا کے رکھ دیا۔

☆☆☆☆

وہ قدم گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کی قدموں کی آہٹ کو پاتے ہی دیوار کے ساتھ اپنی چونچ سے پروں کو کھجاتے کبوتر ایک دم ہی اڑان بھر گئے۔ ہر سو ایک غیر معمولی خاموشی تھی جامن کی شاخوں سے لٹکے آبخورے خشک اور چڑیاں پانی کی تلاش میں ہلکان شعیب نے کبھی ان آبخوروں کو خشک نہ رہنے دیا تھا۔ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود ڈھیروں چڑیاں یہاں سے اپنی بھوک پیاس مٹاتی تھیں۔

مگر شادی کے بعد وہ جہاں خود کو فراموش کر گیا تھا اب ان پرندوں سے بھی غافل ہو گیا تھا حالانکہ وہ تو اس کے دوست تھے ان سے وہ دل کے ہر دکھ کو کہا کرتا تھا ان ہی سے کتھارسس کے لمحوں میں تو مایا خان اس کی ذات سے آگاہ ہو گئی تھی ''پتہ نہیں وہ کیوں خود کو سزا دے رہا تھا اپنی ایک محرومی کو اس نے روگ کیوں بنا لیا تھا۔ آج کل تو کوئی ان ماؤں کی بھی پرواہ نہیں کرتا جو ہر پل اپنا سکون چین آرام تیاگ کر اپنی اولاد کو پالتی ہیں جبکہ وہ تو''۔

منڈیر پہ بیٹھے کوئے نے گھر کی سنسان فضا میں اپنی کریہہ آواز گھولی تب وہ چونکی تھی ٹھنڈے فرش پر پراسراری خاموشی رینگ رہی تھی اس نے دروازہ بند کر کے اندر آنے کے بعد لائٹ جلا دی شعیب اپنے بستر پہ اوندھے منہ پڑا سو رہا تھا

gest.com

جوتے اتار کر فرش کی ٹھنڈک کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے اس نے ایک پھر گہرا سانس کھینچا۔ وہ تھکنا نہیں چاہتی تھی مگر تھکنے لگی تھی۔

یونہی کھڑے کھڑے تھک گئی تو کرسی پر ٹانگیں سکیٹر کر بیٹھ گئی۔

"یہ بھیک تمہاری اپنی مانگی ہوئی ہے" شعیب کے خوابیدہ وجود کو تکتے اسے اس کی کہی بات بازگشت بن کر سنائی دینے لگی۔ دل مزید بوجھل ہو گیا۔

دن رینگ رینگ کر کائنات کی گود سے باہر جا گرا تب چپکے سے شام دھرتی پہ اتر آئی عجیب زرد رو اداسی بھری شام پہ وہ ہڑ بڑا کر اٹھی اور کبوتروں کو باجرا ڈالنے لگی۔ تبھی شعیب ستا ہوا چہرا بجھی آنکھیں لئے کمرے سے باہر آیا اور سرد مہری کے جامے میں لپٹی چپ جواب ہر آن اسے ہراساں کیئے رکھتی تھی وہ غصہ جو لاوے کی طرح اندر ہی اندر پک رہا ہے بہت خطرناک ہوتا ہے وہ جان سکتی تھی۔ مگر اب اتنی جرأت نہیں تھی کہ دو بدو کھڑی ہو کر اسے جتا سکتی کہ وہ اس ناکردہ جرم کی سزا کیوں کر دے رہا ہے بس چپ چاپ اسے واش بیسن کے آگے کھڑے ہو کر شیو بناتے دیکھتی رہی پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ ہاتھ میں پکڑا باجرے کا کٹورہ واپس تخت پر رکھتی سیڑھیاں اتر گئی۔

نیچے زندگی چہک رہی تھی عمیر برآمدے میں ٹی وی لگائے بیٹھا ساتھ چائے پی رہا تھا۔ فضہ پکوڑے تل رہی تھی جن کی اشتہا انگیز خوشبو سارے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

عمیر کی نگاہ سب سے پہلے اس پہ پڑی تھی چہرا تن سا گیا جب سے اس نے ان دونوں بھائیوں پہ شعیب کو فوقیت دی تھی وہ اس سے بہت خار کھانے لگا تھا۔

"پھپھو کہاں ہیں" مایا بھی اسے اگنور کیے فضہ کے پاس چلی آئی۔

"اندر ہیں شاید کپڑوں کی الماری سیٹ کر رہی ہیں" فضہ کے بتانے پہ وہ مزید ٹھہرے بنا آگے بڑھ گئی۔

پھپھو الماری کے پٹ کھولے سر اندر گھسیڑے جانے کس مصروفیت میں کھوئی تھیں۔ وہ وہیں چوکھٹ پہ تھم گئی۔

"مجھے ایک بات بتائیں پھپھو شعیب آپ کا سگا بیٹا ہے"۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا تو وہ بہت بری طرح سے چونک کر مڑیں اس کی آنکھوں میں جانے کیا نظر آیا تھا انہیں کہ ناراض ہونے کی بجائے خائف سی ہو گئیں۔

"کیا کہہ رہی ہو بیٹا"

"وہی جو آپ نے سنا بتایئے مجھے کیوں آپ بچپن سے لے کر اب تک انہیں اپنی بے اعتنائی اور لاتعلقی کی مار مارتی آئی ہیں ان کا قصور کیا تھا کیوں ماتا کی گھنیری چھایا چھین لی آپ نے ان سے اتنے ظلم کا حساب کیسے چکائیں گی آپ۔ آپ کو اس نقصان کا اندازہ بھی ہے جو آپ کر چکی ہیں۔ کیوں چھین لیا آپ نے انہیں جہان سے اور پھر مجھ سے بھی آپ کو پتہ ہے پھپھو آپ کی وجہ سے وہ زندگی کی کسی خوشی کو بھی ٹٹولنے پہ تیار نہیں بتایئے آپ نے ایسا کیوں کیا؟"۔ وہ چیخ چیخ کر بولتی نڈھال ہو گئی تو روتے ہوئے وہیں دیوار سے لگ کے بیٹھ گئی۔

پھپھو ششدر تھیں شاید انہیں اس سے اس احتساب کی توقع نہیں تھی جبکہ فضہ جو یہ شور سن یونہی ہاتھ میں پکوڑے تلنے والا چمچ اٹھاتے چلی آئی تھی غصے سے سرخ چہرا لیے اسے گھور رہی تھی۔

"اوہ آئی سی تو گویا اس زہریلے ناگ نے اپنی مظلومیت کی جھوٹی سچی داستانیں تمہیں بھی سنا کر ہم سب کے خلاف بھڑکا ہی دیا" عمیر کے دھیمے لہجے میں بھی بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی۔

"ابھی کی کیا بات ظاہر ہے اس نے یہ جھوٹی کہانیاں پہلے اسے سنائی تھیں تبھی تو یہ تم جیسے خوبرو اور شاندار لڑکوں کو چھوڑ کر اس کالو کے جال میں پھنسی تھی نا"۔ فضہ بھی پھنکارنے لگی۔

مایا نے سن کر بھی ان سنی کر دی۔ اور ہتھیلیوں پہ جسم کا بوجھ سہار کر اٹھتی ہوئی پھپھو کے سامنے آ رکی۔

"اس بے بنیاد نفرت کی وجہ بتا دیں پھپھو تا کہ میں اپنے دل کو تو سمجھا لوں وہ تو خیر اب کیا سمجھے گا" اس نے شعیب کا حوالہ دے کر سر جھٹکا۔

"میں اس سے کیوں نفرت کروں گی تم تو پاگل ہو رہی ہو" انہوں نے ملامتی انداز میں کہہ کر … سے گھورا۔

"یہ نفرت نہیں ہے تو پھر کیا ہے پھپھو کہ جب تک میں ان سے الگ تھی آپ کی محبتیں التفات چاہتیں میرے لیے تھیں مگر اس سے منسوب ہونے کے بعد آپ نے مجھے بھی چھوڑ دیا۔ حالانکہ انہی کی کمائی، اس نے کچھ کہتے کہتے لب بھینچ لیے۔

عمیر بپھر کر اس کے سامنے آیا۔ وہ اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر سلگ اٹھا تھا۔ مایا نے خائف ہوئے بنا اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے گویا جلتی پہ تیل ڈال دیا تھا۔

"یعنی تمہارا مطلب ہے ہم اس گھسیارے دو ٹکے کے مصنف کا کمایا ہوا کھاتے رہے ہیں سن لیا امی اسی ایک طعنے کی کسر رہ گئی تھی"۔ عمیر زور زور سے چلانے لگا وہ پرواہ نہ کرتے ہوئے واپسی کو پلٹی مگر اس وقت اس کی گویا روح فنا ہو گئی تھی جب اس نے آنگن سے چھت کو جاتی سیڑھی کے آخری زینے پہ شعیب کو کھڑے دیکھا اس کے پتھریلے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اس پہ سمجھنے میں قطعی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس گفتگو کا حرف حرف سن چکا ہے۔

☆☆☆

وہ چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی وجود کی ایک ایک پور میں درد آ بسا تھا۔ اس شخص کو چاہ کر پا کر تو وہ بالکل ہی تہی دست و تہی داماں ہو گئی تھی۔

"تمہیں کبھی اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے مایا بیگم کہ اپنی ماں کے کہنے پہ ہی میں تمہیں اس گھر میں لانے پہ آمادہ ہوا تھا ورنہ تمہاری میری نظر میں کوئی حیثیت نہیں تھی" وہ اسے اس گستاخی کی سزا میں تھپڑوں گھونسوں ٹھوکروں سے پیٹتا ہوا بار بار اسے جتاتا رہا تھا ابھی اس لاتعداد ہی درد کی لہریں وجود سے صحیح طور پر نکل بھی نہیں پائی تھیں کہ وہ نئے سرے سے نڈھال ہو گئی۔

وہ ماں بننے والی تھی یہ انکشاف اس کے جسم دورا ہے سے رہی سہی جان بھی نکال کر لے گیا تھا۔ اسے شعیب کی وہ ہدایت ازبر تھی کہ اسے اولاد نہیں چاہیے تھی۔ اور اب مایا وہ عجیب مخمصے میں آ پڑی تھی کہ اسے بتانے میں بہتری نہ تھی نہ چھپانے میں وہ خود سے لڑتی بیمار پڑ گئی۔

est.com

اس روز بھی اس کی حالت بے حد خراب تھی۔ مگر اس نے پھر بھی اٹھ کر شعیب کے لئے کھانا تیار کرنا شروع کیا تھا۔ کھانا لگاتے ہوئے ایک دم بہت زور کی ابکائی آئی تھی وہ وہیں سے گرتی پڑتی بھاگی ہوئی واش بیسن تک آئی تھی۔ منہ پہ پانی کے چھپاکے مار کر تولیہ اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تو نظر آئینے میں دکھائی دیتے شعیب کے عکس سے جا الجھی جو عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ایکسپیکٹ کر رہی ہو" اس کی نظریں مایا کے چہرے پر تیروں کی طرح گڑ گئی تھیں۔ مایا کا خون خشک ہو گیا ہونٹ نیلے ہو کر کانپنے لگے۔

"اور تم نے مجھے بتایا نہیں" وہ اتنے سرد لہجے میں بولا تھا کہ مایا نے اپنا آپ برف ہوتا محسوس کیا۔

"میں نے تمہیں سمجھایا تھا تم [illegible] نہیں ہوتا

کسی بات کا" وہ دھاڑا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو دبوچ کر زوردار جھٹکا دیتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔

مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔ سنا تم نے اور خود پلٹ کر اندر چلا گیا مایا پتھر بن چکی تھی۔

پھر وہ اس کی ہر طرح سے منتیں کر کے ہار گئی مگر اس کا فیصلہ نہ بدلا۔

"جو میں نے کہا ہے بس وہ کرو بحث نہیں" وہ چیخ اٹھا تھا وہ اس کے لئے ایسا ہی تھا بے حس کٹھور اور تھرڈ کلاس انداز گفتگو رکھنے والا۔

اس نے اس احساس زیاں کو پایا تھا مگر دیر سے ہاں پامال ہونے کے بعد بہت اچھی طرح سے پامال ہو جانے کے بعد اب تمام راستوں پر واپسی کے نشان گم ہو چکے تھے مفید و مجبور ہو گئی تھی۔

"مما واپس جا رہی ہیں میں کچھ دن ان کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں" اسے ایک ہی راہ فرار نظر آئی تھی۔

"چلی جاؤ مگر واپسی پر اس بوجھ سے آزاد ہو کر آنا" اس کا انداز قطعی تھا۔ مایا بوجھل دل سمیت وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆☆

مایا پندرہ دن رہی تھی مما کے ساتھ مگر اس ٹاپک پہ ان سے بات نہیں کہ وہ کیا حل نکالتیں پریشان وہ کرنا نہیں چاہتی تھی یہ اس کا بویا ہوا تھا وہ خود ہی کاٹنا چاہتی تھی۔

تم فکر نہ کرنا میں تمہاری ڈلیوری سے پہلے آجاؤں گی"۔

مما نے جاتے جاتے اسے تسلی سے نوازا تھا۔ مایا نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجا کر اپنا ہر درد اندر چھپا لیا۔

ہزار دعاؤں سے اسے نواز کر مما چلی گئیں تو مایا بھی واپس اسی مقتل گاہ میں چلی آئی جہاں اس نے پل پل جان واری تھی مگر جواب میں محض تحقیر تذلیل اور تشدد ہی سہا تھا۔ شعیب گھر پہ نہیں تھا پورا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا کبوتر بھوکے تھے آبخوں خشک آنگن میں گرد ہی گرد پھیلی تھی پرندوں کو دانہ پانی ڈال کر وہ بکھرا ہوا گھر سمیٹنے لگی۔ اس کام سے بھی فرصت مل گئی۔ مگر وہ نہیں آیا آج اسے اس کا انتظار بھی نہیں تھا وہ اس کے سامنا کرنے سے بھی ہراساں تھی خبر نہیں تھی اس نافرمانی پر وہ اس کا کیا حشر کرنے والا تھا اسے سوچ سوچ کر ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹیں سی دوڑ رہی تھیں۔

رات گئے جا کر وہ گھر لوٹا تو کمرے میں روشنی دیکھ کر اسی طرف چلا آیا۔ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر اس نے ایک ہی نگاہ اس پہ ڈالی تھی اس کے سراپے پر اور مایا کی گویا جان ہوا ہو گئی۔

"کھانا لاؤں آپ کے لئے"۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ایک ٹک اسے اپنی طرف تکتا پا کر مایا کی پیشانی پسینوں میں بھیگنے لگی۔

"تم گئی تھی ڈاکٹر کے پاس..... اس نے کہا دے...... دیر ہو چکی ہے" چٹاخ۔ اس کا ہاتھ پوری قوت سے گھوما تھا اور مایا کے لڑکھڑا کر گرنے سے پہلے ہی وہ اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر سامنے کھڑا کرتے ہوئے چیخا تھا۔

"تم ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی تھیں مایا خان"۔ وہ سانس روکے بے یقینی کے عالم میں کھڑی رہ گئی۔ چہرے کی زرد رنگت پہ چار انگلیوں کے نشان بہت واضح تھے۔

تم میری ضد میں کر رہی ہو یہ سب لیکن میں تمہیں نہیں کرنے دوں گا" اس کی غیر معمولی گرفت مایا کے بازوؤں کو شل کیے دے رہی تھی مگر وہ ہم بخود تھی۔

"تم ہمیشہ میری مخالفت میں چلیں اور ہمیشہ

جیتیں لیکن اب ایسا مزید کچھ نہیں ہو گا یہ ان چاہا وجود اس دنیا میں نہیں آئے گا اس کے لئے بھلے مجھے تمہاری جان ہی کیوں نہ لینا پڑے“ اس کا ہاتھ مایا کی شہ رگ تک جا پہنچا تھا۔

”میری زندگی میں تمہاری گنجائش صرف اس صورت نکل سکتی ہے کہ تم میری ہر بات بلا چوں چرا کے مانو۔ اس کا لہجہ ٹھوس تھا کسی بھی گنجائش سے عاری گویا جو وہ کہہ رہا ہے کر بھی گزرے گا۔ مایا بت بنی بس ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی جو رعونت سے گردن اکڑائے اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

اس نے تھک کر سر جھکا لیا کتنا غلط سمجھی تھی وہ شعیب ہمدانی کو بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی متکبر اور سنگدل ہو گا وہ انسان سے پتھر ہو چکا تھا اور کسی پتھر سے کسی احساس کی توقع عبث وہ ایک پتھر سے ہی سر پھوڑتی رہی تھی۔ اس نے اس زاویے پہ بیٹھے بیٹھے رات بتا دی۔ کبوتروں کے کابک سے کسی نوزائیدہ بچے کی چیں چیں بھوک سے بے قراری کا اعلان کر رہی تھی اس معصوم پکار پہ کوئی نوزائیدہ پکار بھی غالب آتی تھی۔

”نہیں شعیب ہمدانی تم سے محبت کے باوجود میں اس گناہ میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتی اگر تمہاری قربتوں میں میرے لئے اذیت نفرت اور بے توقیری و پامالی ہی ہے تو مجھے ان قربتوں کی چاہ نہیں محبت اور دولت ہی سے مایا نے کبھی محبت کو چنا تھا مگر اب وہی مایا محبت اور عزت میں سے محبت کو چھوڑ کر عزت کا انتخاب کر رہی ہے اب بھلے تم عمر بھر مجھے بے رقائی کا الزام دیتے رہنا مگر یہ طے ہے کہ میں یہ قتل نہیں کروں گی“ اور وہی گھر جس کی پناہ میں آنے کو اس نے اپنا سب کچھ کبھی داؤ پہ لگا دیا تھا اسی پناہ کو اس نے آج اپنی مرضی سے چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆

پھر کتنے ہی بہت سارے دن بیت گئے وہ گئی تو پلٹ کر کبھی نہ آئی پیچھے رہ جانے والے کو بھی ملال نہیں تھا اس کے پاس اس کو یاد کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی دکھوں نے بھی اسے فرصت دی بھی نہیں تھی وہ بس اپنے دکھ کو ہی سب سے بڑا سمجھتا تھا۔ اور خود کو مظلوم سمجھتا رہتا تھا۔

عمیر یوگنڈا چلا گیا اس کے چھ ماہ بعد قصہ کی شادی ہو گئی۔ اسعد تو پہلے ہی ہری پور میں ہوتا تھا وہیں شادی کر کے گھر بھی بسا لیا۔ تو امی بھی اس کے پاس چلی گئیں۔

گھر کا نچلا پورشن بھی اوپر کے پورشن کی طرح اُجاڑ اور ویران ہو گیا پورے گھر کے ایک کمرے اور کچن کے سوا سارا گھر بند تھا در و دیوار پہ خاک اڑتی تھی کبوتروں کا بک خالی ہو گئے چڑیاں اس گھر کا راستہ بھول گئیں جس طرح یہاں سے ہر جانے والا اسے بھول گیا تھا۔ بہت کچھ بدل گیا تھا لیکن بہت کچھ ایسا تھا جو اب بھی ویسا کا ویسا ہی تھا جیسے اس کی محرومی جسے وہ آنے والی ہر دن میں آنسوؤں سے دھو دھو کر چکا تا رہا تھا۔

اس نے مختلف اداروں سے ملنے والی اعزازیے کی رقم ایک مضبوط خاکی لفافے میں ڈالی اور اپنا بلیک کرتا شلوار نہا کر پہنا اور گیلے بالوں کو ہاتھوں سے ہی سنوارتا ہوا وہ لفافہ اٹھا کر کرتے کی جیب میں ڈالنے کے بعد گھر لاک کرتا باہر آ گیا۔

اس کے اُٹھتے قدموں کے سامنے کولتار کی سیاہ سڑک اور طویل ہوتی جا رہی تھی۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا وہ ہر مہینے بہت اہتمام نئی ترنگ اور امید کے ساتھ ایک کثیر رقم امی کو دینے جایا کرتا تھا اور ہر بار ہی اسعد کا چوکیدار اسے گیٹ کے باہر ہی لفافہ لا کر اسے واپس کر دیا کرتا تھا مگر اتنے سالوں سے نہ اس کی روٹین بدلی تھی نہ ہی اس میں کہیں کوئی بد دلی کا احساس ملتا تھا۔ آندھی طوفان ہو یا ژالہ باری اس کے قدم کبھی نہیں تھمے تھے۔ ایک طویل سفر کر کے وہ ہمیشہ تازہ دم وہاں تک

پہنچتا تھا مگر واپسی پہ اتنا ہی نڈھال افسردہ اور مایوس ہوا کرتا۔ اب تو چوکیدار بھی اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگا تھا اور وہ صلواتیں من وعن اس کے سامنے نہیں دہراتا تھا جو اس کی رقم لوٹاتے وقت امی اس کے لئے سنایا کرتی تھیں۔

اب وہ ایک ایسی سڑک پر تھا جہاں ٹریفک اژدہام اور آسمان کو گدلا کرتا سیاہ دھواں تھا رنگ برنگے ہارن بج رہے تھے ایسے وہاں سے دائیں ہاتھ مڑنا تھا۔ طویل سفر کی تھکان اس کے چہرے سے کہیں بھی عیاں نہیں تھی آفیسرز کالونی میں پہنچ کر وہ مطلوبہ مکان کے آگے رُکا اور نہ جانے کتنی مرتبہ کے دہرائے ہوئے الفاظ دہرا کر لفافہ چوکیدار کو تھما دیا۔ اور اس وقت اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب پہلی بار لفافہ واپس نہیں آیا۔

''بیگم صاحبہ نے آپ کا نذرانہ قبول کر لیا ہے مبارک ہو''

چوکیدار نے بھی دانت نکوس کر کہا تھا وہ جیسے ہواؤں میں اڑتا ہوا واپس لوٹا تھا۔

خدا کو جیسے اس کی ذات پہ رحم آ گیا تھا اگلی بار وہ رقم لے کر گیا تو امی نے اسے اندر بلوا لیا تھا۔ اور ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چائے بھی پلوائی تھی۔

''کیسے ہو مایا کیسی ہے اور بچے کتنے ہیں ہیں''۔ وہ سارے سوال ٹال گیا سوائے پہلے کے انہوں نے بھی دھیان نہیں دیا اور اس سے باتیں کرتی رہیں۔

عمیر کی لاتعلقی کے شکوے اسد کی بے حسی کے گلے اس کی بیوی کی بداخلاقی بدزبانی کے رونے بچوں کی بدتمیزیاں

''میرا تو جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ بس سمجھو گھر سے نکالنے کی کسر باقی ہے کسی دن وہ بھی پوری ہو جائے گی''۔ وہ آنکھوں پہ دوپٹے کا پلو رکھ کر سسکنے لگیں۔ شعیب تڑپ گیا اٹھ کر ان کے قدموں میں آن بیٹھا۔

''امی آپ میرے ساتھ چلیئے''۔

تاکہ تم بھی کل میرے ساتھ ایسا ہی کر سکو'' انہوں نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھیں اٹھائیں۔

''خدا نہ کرے امی اس سے پہلے موت آ جائے مجھے۔'' وہ لرز گیا۔

ایک عرصے بعد کھوئی ہوئی جنت ملی تھی ایک ایسا سکون جس کی کھوج میں وہ ہر شے سے منہ موڑ گیا تھا۔ وہ انہیں خوشی خوشی ساتھ لے آیا اور دنوں میں دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔

''سب کچھ آپ کا ہے امی جیسے چاہیں استعمال کریں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو پیسے یہاں ہوتے ہیں'' اس نے ان لاکڈ دراز کی سمت اشارہ کیا وہ ہنس پڑیں۔

''پیسے تو وہی ختم نہیں ہوئے شعیب جو تم نے مجھے پہلے سے دے رکھے ہیں''۔ پھر ایک دم اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بلک اٹھی تھیں۔

''کتنی بدنصیب تھی میں اتنے پیارے دل والے بیٹے سے خوامخواہ ناراض ہو کر اپنے لئے دوزخ کا ایندھن جمع کرتی رہی''۔

''امی پلیز'' شعیب نے ان کے آنسو اپنی پوروں پہ چن لئے۔

'جو بیت گیا اسے یاد نہیں کرنا آج اور آنے والا کل ہمارا ہے جو بہت خوبصورت ہے وہ ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

''ارے مجھے تو خیال ہی نہ آیا''۔

یہ مایا ہے کہاں اور تمہارے بچے ارے بڑے والا تو اچھا خاص ہو گا۔ اور کتنے ہیں لڑکے کہ لڑکیاں۔ لو بتاؤ میرے پوتے پوتیاں ہیں اور مجھے پتہ ہی نہیں'' وہ کھیسا کر کہہ رہی تھیں۔ شعیب کے چہرے پہ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ امی نے اس کی

www.pkdi

خاموشی کو محسوس کیا تھا تو اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ٹھٹک گئیں۔

"شعیب بیٹا تم نے بتایا نہیں"۔

"امی" وہ لب بھینچے پلٹا۔

وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی اب نہیں سات سال پہلے" اس نے سرد آواز میں کہا تھا اور امی ششدر سی اس کی صورت تکتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆☆

پلٹ کے دیکھنا چاہو تو نفرتوں سے ادھر
دنوں کی راکھ پہ یادوں کی بخ ہتھیلی پر
ہوا کے ناچتے گرداب کی تہوں میں کہیں
بجا ہوا کوئی لمحہ کسی چراغ کا داغ
نظر پڑے تو سمجھنا کہ میں بھی زندہ ہوں
کہ میں بھی زندہ ہوں اپنے اُجاڑ دل کی طرح
اجاڑ دل کہ جہاں آج بھی تمہارے بغیر
ہر ایک شام دھڑکتے ہیں خواہشوں کے کواڑ
ہر ایک رات بکھرتی ہے آرزو کی دھنک
ہر ایک صبح دیکھتے ہیں زخم زخم گلاب
اجاڑ دل کہ جہاں آج بھی تمہارے بغیر
ہر ایک پل آنکھوں میں ڈھل کے ڈھلتا ہے
تپتی رت کی تپش سے دن پگھلتا ہے

چند برس قبل اس نے یہ خط کھولا تو اس کی تہہ میں گلاب کی کچھ پتیاں بھی قید تھیں۔ تب اس نے بھیجنے والی کا نام پڑھ کر اسے ایک غیر ضروری کاغذ سمجھ کر بہت سی دوسری غیر چیزیں کے ساتھ لکڑی کی اس صندوق میں ڈال دیا اور آج اس صندوق میں سے بالخصوص میں یہ خط تلاش کر کے اس نے ایک بار نہیں متعدد بار یہ تحریر پڑھی تھی۔ اس خط کو پھر سے تہہ کرتے ہوئے ایک کسک آمیز بے قراری اس کے آس پاس آ بکھری۔ اس نے ایک اور پرزے کی تلاش میں جلدی جلدی بہت سارے کاغذ پلٹے وہ پرزہ بھی ایک کونے میں پڑا مل گیا۔

یہ دو سال پرانی تحریر تھی۔ سیاہی میں ڈوبے لفظ موتیوں کی طرح سفید کاغذ پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان کی آب و تاب پہلے دن کی طرح قائم تھی اس نے یہ چٹ بھی اپنے سامنے پھیلا لی۔ ادھ کھلے روشندان سے پیلی زرد روشنی براہ راست اس کی میز پر پڑ رہی تھی اور لفظ اس کے سامنے عیاں تھے۔

"آنا چاہو تو چلے آؤ شعیب ہمدانی کہ تمہارا بیٹا آج بھی اتنی ہی شدتوں سے ہر روز تمہارا انتظار کرتا ہے۔" اس چٹ پہ اس کا ایڈریس بھی درج تھا دو سال قبل اس نے یہ الفاظ بہت سرسری نگاہ سے پڑھے تھے اور یہ چٹ آئندہ آنے والے بہت سے سالوں کے لئے اسی لکڑی کے صندوق میں قید کر دی اور آج آج وہ چٹ اس کے ہاتھوں میں کیسے تھی اسے خود خبر نہ ہو سکی تھی اور اس کا ہر عضو اس کے اختیار میں تھا ہے کب۔ روح کی پیاس بجھی تھی دائمی دکھ سے چھٹکارا ملا تھا تو زندگی میں اس کمی کا احساس جاگ اٹھا تھا وہ کسک اندر آئی تھی جو اس زیادتی کے بعد سے لاشعوری طور پہ تو اس کے اندر تھی مگر اس کے فہم و شعور نے بروقت اسے نہیں پایا تھا۔ مگر اب گویا ہر پل ایک خلش ایک بے قراری کے ساتھ بیتا تھا اور اس کی یادیں تار عنکبوت کی طرح اپنے شکنجے میں جکڑ رہی تھیں۔

اسے یاد تھا جب وہ جا رہی تھی تو کتنی دیر جانے کس آس میں اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے بعد اسے تکتی رہی تھی۔

اس ایک نگاہ کے بے بسوں میں اس اکھڑ خود پسند اور مغرور کو قائل کر لینے کی آرزو کتنی افسردگی سے تیرتی رہی تھی آنسوؤں کے ساتھ ساتھ۔ وہ ایک ایک نقش گویا چوم رہی تھی اس کا وہ یونہی دم سادھے کھڑی رہی تھی شاید کچھ ان سنا سننے کی چاہ لئے اس طرح کہ سانسوں کی سرسراہٹ سے بھی یہ سلسلے یہ طلسم بکھیرنا نہیں چاہتی تھی۔

"کیوں دیکھ رہی ہو اب مجھے اس طرح تم

اپنی مرضی کی مالک ہو اپنی مرضی کا فیصلہ کیا ہے" اس نے چائے کا کپ خالی کر کے رکھنے کے بعد سگریٹ سلگا لیا تھا۔

"کاش شعیب ہمدانی یہ تمہاری آنکھیں میری ہو جاتیں یہ وہی عکس چرائیں جو میں دیکھنا چاہتی تھی کاش تمہارا دل پتھر نہ ہوتا اور اس میں میری محبت کی ننھی سی کونپل ہی پھوٹ آئی" اور اب اگر وہ ہوتی تو اسے بتاتا کہ یہ آنکھیں ایک عرصے بعد سہی مگر اس کی ہو گئی ہیں اس کی یاد میں گیلی رہنے لگی ہیں اور دل میں محبت کی کونپل تو کیا پورا مضبوط درخت اُگ آیا ہے۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور آنکھیں موند لیں۔ اماں نے تو کہا تھا وہ جا کے اسے منا لائے مگر وہ مردانگی کا زعم رہ گیا تھا دانا۔ وہ کیونکر جائے۔ انا جانے ہی نہ دیتی تھی۔

☆☆☆☆

ویلنٹائن ڈے پہ اس کے فینز کی طرف سے ڈھیروں پھول آئے تھے۔ اور اس پہ پچھلے یادوں کے دورا ہو گئے۔ میں یہ فرنگیوں کی رسومات کو فولو نہیں کرتا۔ اس نے مایا کے بہت خلوص سے پیش کئے گئے گلابوں کو بے اعتنائی اور رعونت سمیت کھڑکی سے باہر پھینک کر تنفر سمیت جتایا تھا۔ اور اس کا پھیکا پڑتا چہرا دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔

"اداس ہو" امی نے اسے جامن کے سوکھے پتوں کو اپنے پیروں تلے کچلتے دیکھ کر اچانک سوال کر دیا تھا۔ وہ چونک اٹھا۔

"نہیں برسوں بعد تو شانت ہوا ہوں امی" ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر مسکرا دیا۔

"یہ خوشی ادھوری ہے بیٹا۔ بیوی کے بغیر تم ادھورے ہو۔ اسے منا لو کاندھوں سے سارے بوجھ اتر جائیں گے اس کا پتہ تو ہوگا تمہارے پاس" امی نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

انی رات بہت دیر تک ایک بہترین ناول

تکمیل کرتے ہوئے اس کے اندر ایک انہونی خواہش نے سر ابھارا تھا شل ہوئی انگلیوں سے کوئی قلم لے کر لکھ دے اور اس کی سخت اکڑی ہوئی پوری پوروں پر کوئی گداس لمس اتر کر سچائی کا سکون بھر دے اس کی تھکی ہوئی آنکھوں پہ آہستگی سے ہاتھ رکھ کر بند کر دے اور اس کا دور بوجھل ہوتا سر اپنے نرم ہاتھوں سے ہولے ہولے دبا کر سارا درد چن لے۔

"مایا" اس کے لبوں سے بے اختیاری میں پھسلا تھا اور وہ چونک گیا تھا۔ تو کیا اب وہ میرے حواسوں پہ اس حد تک مسلط ہو گئی۔ وہ گھبرا کر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"ابھی وقت بیتا نہیں ہے بیٹا اسے لے آؤ منا لو اور زندگی کے پھر سے جینا شروع کر دو" امی جانے کب سے اسے دیکھ رہی تھیں درست سمت راہنمائی بخش کر نماز کے لئے اٹھ گئیں وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆

"سارا قصور میرا تھا طبیعت کا افتاد پن اور شدت ایسی ہی دیوانگی بخش جاتی ہو گی جیسے مجھے۔ مجھے یاد ہے ابا کے سانولے رنگ میں بھی ایک کشش تھی ایک نکھار اور خوبصورتی تھی امی کو اگر ان سے محبت نہ بھی رہی ہو گی تو نفرت بھی نہیں تھی جیسی نفرت انہیں میری پیدائش کے بعد میرا چہرا دیکھتے ہی ہو گئی تھی۔ بڑا ہونے پہ اکثر آئینہ دیکھ کر میں سوچ میں پڑ جاتا تھا کیا واقعی کسی اولاد کا رنگ روپ بھی ماں کے دل سے اس کے لیے موجود ممتا اور محبت کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔

"مجھے امی سے جتنی بھی شکایتیں گلے اور شکوے سہی مگر میں خود کو ان کی محبت سے باز نہ رکھ پایا۔ جانتی ہو انہوں نے میرے ابا سے صرف اس لئے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ وہ مزید بدصورت بچوں کی ماں بننے سے خوفزدہ تھیں۔ مجھے دیکھ کر ان

www.pkl

پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مگر یہ انکار نصیب کہ ابا بہت تھوڑی عمر لکھوا کر لائے تھے۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد امی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ شدید نفرت کے باوجود مجھے اپنے ساتھ رکھتیں۔

اب یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ میرے سوتیلے باپ نے میری ماں کی طرح نہیں دھتکارا شاید وہ میری امی کی طرح اس نفسیاتی بیماری کا شکار نہیں تھے جس میں امی مبتلا ہو چکی تھیں۔ میں جوں جوں بڑھتا گیا ویسے ویسے امی کی نظر اندازی بے اعتنائی اور لاتعلقی کا دکھ مجھے تنہا اور تلخ بناتا گیا وہ مجھ سے کچھ نہیں کہتی تھیں انہوں نے کبھی مجھے کوسا نہ ہی مجھے پہ ہاتھ اٹھایا۔ لیکن ان کا انداز اس قدر اذیت بھرا ہوتا تھا کہ ساری رات میرا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہتا تو اندر موجود غم دھلا نہیں کرتا تھا۔ میں جتنا ان کی جانب کھنچتا وہ اسی قدر مجھ سے بے زار نظر آیا کرتیں۔ پھر جب میرے بعد عمیر اور اسد کے ساتھ فضہ نے بھی یتیمی کا زہر پیا تو میں جدوجہد کے لیے میدان میں اتر آیا۔ ان دنوں اُردو ادب میں ماسٹرز کی ڈگری میں حاصل کر چکا تھا۔ امی سے اب میرا رویہ بدل گیا اب میں دیوانہ وار ان کے گرد منڈلانا ترک کر چکا تھا میں نے کاغذ قلم میں سہارا ڈھونڈ لیا اور لفظوں کی بنت سیکھ لی"۔

"پرندے میرے غمگسار اور دوست تھے۔ میرا کوئی نہیں تھا میں نے ان خطوں کو کبھی نہیں پڑھا جن میں میری تحریروں کی تعریف شائع ہوتی تھی۔ میں شاید اپنوں کی بے اعتنائی کو پا کر خود بھی کٹھور ہو گیا تھا۔ مجھے کسی کی محبتوں کا اعتبار نہیں رہا تھا۔ خود اپنی محبت کی طرح جو بے اثر بے فائدہ رہی تھی۔ مگر پھر اس پیار سے مایوس بے حسی کو خود پہ طاری کرنے والے پتھر دل انسان کی زندگی میں ایک لڑکی زبردستی گھس آئی"۔

"وہ زور آور تھی وہ فتح کرنے کے فن سے آشنا تھی بس میں یہ کہوں گا اس کے لئے کہ وہ آئی اس نے دیکھا اور ایک ایسا علاقہ فتح کر لیا جو شاید کبھی فتح نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لڑکے نے اس لڑکی سے صرف نفرت کا اظہار کیا اسے جھڑکا اسے ذلیل کیا وہ کسی طرح بھی اپنی اس شکست کے اعتراف سے بچنا چاہتا تھا مگر وہ لڑکی وہ لڑکی بہت مستقل مزاج تھی میں نے کہا نا وہ فتح کرنے کے ہنر سے آشنا تھی۔ اور جب اس نے امی کے ذریعے مجھے جیتنا چاہا تو میرے اندر دلی خواہش کی وہ چنگاری دہک کر انگارہ بن گئی۔ میں نے ایک بازی کھیلی اور اسے مات کر کے اپنے دل کی مان لی اور بظاہر سب کو یہ لگا کہ میں امی کی بات نہیں ٹال سکا۔ اگر سمجھو تو میں دل ہی دل میں امی کا مشکور تھا۔ اگر وہ مجھے یوں نہ فورس کرتیں تو میرے اندر رسائی کی خواہش ہمیشہ کے لئے نارسائی اوڑھ لیتی۔ مگر میں نے کہا نا میں اس کے ظاہر ہونا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اسے کبھی جھجک تک نہ ہونے دیا کہ میں اس کے قرب کا خواہش مند ہوں اور وہ میری بے اعتنائیوں کو سہتی تھکنے لگی۔

کبھی کبھی میرا جی چاہتا اس پہ اپنا راز عیاں کر دوں اور پھر اس کے چہرے پہ بکھرے حیرت و خوشی کے رنگ جی بھر کے لطف لے کر دیکھوں۔ ان دنوں میں ایسا ہی کمزور ہو رہا تھا قریب تھا کہ میں یہ راز اس پہ منکشف بھی کر دیتا اگر انہی دنوں وہ ایسی بات نہ کرتی جو مجھے ہلا کے رکھ گئی تھی"۔ اُس نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر بولا۔

"وہ ماں بننے والی تھی میرے بچے کی ماں اور وہ بچہ کیسا ہوتا۔ ڈیفنٹلی وہ میرے جیسا ہوتا جیسے میں اپنے ابا پہ پڑا تھا۔ اور اماں کی تمام ناپسندیدگی یا محبت وہ جو بھی تھا ابا کے لیے وہ نفرت میں ڈھل گئی تھی۔ مجھے تمہاری جگہ امی اور اس کی جگہ خود اپنا آپ نظر آنے لگا۔ میں ایک شعیب کو دنیا میں کیونکر لاتعداد دکھ سمیٹنے کو آ

دیتا۔ وہ محرومیاں وہ آنسو وہ بے کسی دلا چاری۔ جسے پل پل میں نے سہا تھا اپنی اولاد کا نصیب بنتے کیسے دیکھ لیتا۔ مگر وہ صرف مستقل مزاج نہیں تھی بہت ضدی بھی تھی۔ تو اس نے مجھے جیتا تھا تب ہی تو اس نے یہاں بھی میری بات نہیں مانی تھی۔ تبھی تو وہ مجھے چھوڑنے پہ بھی مصر ہوگئی تھی۔ وہ کیسی ماں تھی۔ جسے یہ خوف لاحق نہیں ہوا تھا کہ اس کا بیٹا اگر اپنے ابا کا رنگ روپ لے کر کالا کلوٹا پیدا ہوتا تو وہ دنیا کی تعجب خیز نگاہوں غیر یقینی سے بھرپور جملوں سے کیسے شرمندگی سے بچتے کو منہ چھپاتی پھرے گی۔ میں اگر چاہتا تو تب اسے روک لیتا مگر میں نے آزمائش کے طور پہ اسے آزاد چھوڑ دیا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر اس کا بچہ بھی رنگت کے لحاظ سے باپ پر جا پڑا۔ تب وہ اس کے ساتھ آخر کیسا سلوک کرے گی۔"

وہ تسلسل سے بولتا ہوا چند لمحوں کو رکا تو مایا نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"تو پھر آپ نے کیا جانا شعیب ہمدانی"

اس کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا البتہ خفگی ضرور سموئے ہوئے تھا۔ شعیب نے ٹھنڈی سانس بھر کے کچھ فاصلے پہ ٹاپ پہ گیم کھیلتے ترویان کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔ تو مایا کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

جواب نہیں ہے صاحب آپ کا بھی۔ یعنی کرتے ہیں پر مانیں کیوں۔"

"بالکل بالکل" شعیب نے مسکرا کر ٹکڑا لگایا

"اب اپنے گھر چلیں" وہ بیٹھے سے ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"نہیں شعیب اب میں وہاں کے ماحول کی عادی نہیں رہی ہوں" مایا کہ کہنے پہ شعیب نے چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر دھونس سے بولا تھا۔

"تمہاری عادتوں کی ایسی کی تیسی۔ بیوی تم مجھے جانتی ہوتا" اور مایا کے دل سے جیسے ایک دم بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ اس کا مزاج آشنا ہو گیا تھا اب اسے یقین تھا ان کی زندگی میں کوئی کٹھنائی نہیں آئی تھی اگر آئی بھی تو شعیب کا مضبوط سہارا تھا نا۔

"چلو مایا ہمیں ایک نئے گھر کی بنیاد رکھنا ہے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر ایک عزم سے کہہ رہا تھا۔

"اور ہاں اپنی دعاؤں میں ایک دعا کو لازم کر لینا کہ ہمارے باقی کے بچے بھی تمہاری شکل و صورت اور رنگ روپ کے ہوں اب میں کوئی جدائی نہیں سہنا چاہتا" اور مایا اس کے ہمراہ چلتے ہوئے رک سی گئی تھی۔

"یہ دعا آپ مانگئے مجھے تو اپنے رب سے لازماً ایک بچہ باپ کے رنگ روپ کا چاہئے بھئی کس کو یقین تھی تو ہونا ہے تاکہ ماممتا رنگ روپ سے بے نیاز احساس ہے" اس نے اتنے جذب سے کہا تھا کہ شعیب بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

"سنو" میں اب بھی ویلنٹائن ڈے نہیں مناتا کہ غیر مسلموں کی رسموں کو اہتمام سے منا کر میں روزِ قیامت اپنے رب سے شرمندہ ہونے سے ڈرتا ہوں۔ جبھی تم تک آنے کو خاص طور پہ وہ دن گزار کر آیا ہوں کہ پھولوں کے بغیر تمہارے پاس آنا نہیں چاہتا تھا" اس نے مسکراتے ہوئے فریش مہکتے ہوئے گلاب اس کی جانب بڑھائے تو مایا نے ہنسی خوشی پورے دل کی آمادگی سمیت وہ پھول لے لئے تھے۔ اسے اس غیر اہم موقع کے کھو جانے کا بالکل بھی افسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ اور اس کے دل نے جان لیا تھا سرخ گلابوں سے چاہت کا اظہار کرنے کو کسی خاص موقع کا انتظار کرنا ضروری نہیں یہ تو دل کے موسم ہیں اور اس کے دل میں سرخ گلابوں کا موسم ہمیشہ کے لئے چلا آیا تھا کبھی نہ جانے کے لیے۔